یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاکُمْ

احکامُ المال

مال ودولت اور مکان کی اہمیت
اور اس کے شرعی احکام

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

انتخاب وترتیب

محمد زید مظاہری ندوی استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر

ادارہ افادات اشرفیہ دوبگا ہردوئی روڈ لکھنؤ (یوپی)

تفصیلات

نام کتاب	احکام المال
افادات	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
مرتب	مفتی محمد زید صاحب مظاہری ندوی
کمپوزنگ	محمد نسیم القاسمی سیتاپوری
صفحات	۱۴۰
ناشر	ادارہ افادات اشرفیہ دوبگا ہردوئی روڈ لکھنؤ
قیمت	

ملنے کے پتے

☆ دیوبند و سہارنپور کے تمام کتب خانے

☆ افادات اشرفیہ دوبگا ہردوئی روڈ لکھنؤ

☆ مکتبہ ندویہ، ندوۃ العلماء لکھنؤ

☆ مکتبہ رحمانیہ ہتورا، باندا، پن کوڈ: ۲۱۰۰۰۱

☆ مکتبۃ الفرقان نظیر آباد لکھنؤ

☆ مکتبہ اشرفیہ ۳۶، محمد علی روڈ بمبئی ۹

فہرست مال ودولت کی اہمیت

عنوانات صفحہ
تقریظ حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندویؒ ۱۱
عرض مرتب ۱۲

باب(۱)

مال کی آمد وخرچ کسب معاش سے متعلق احادیث نبو

مال کی اہمیت ۱۳
مال وعزت کی ضرورت ۱۷
مال ودولت کی محبت اور حضرت عمرؓ کا ارشاد ۱۸
مال کی اہمیت ۱۸
مسلمانوں کی کمزوری کا سبب افلاس بھی ہے ۱۹
مسلمانوں کی خوش حالی سے دل خوش ہوتا ہے ۲۰
مال جمع کر کے رکھنے کی ضرورت ۲۱
علماء ومشائخ کو بھی اپنے پاس مال جمع رکھنے کی ضرورت ۲۱
علماء مالدار کیسے ہوں ۲۳

باب(۲)

حرام روزی کی نحوست

حرام خور کی دعا قبول نہیں ہوتی ۲۴
حرام روزی کا وبال ۲۵
ایک حکایت ۲۵

ایک بزرگ کی حکایت	۲۶
رزق حرام کی نحوست	۲۶
ایک حکایت	۲۷
حرام مال نہ خود کھانا جائز نہ دوسروں کو کھلانا جائز	۲۷
رزق حلال کی برکت و نورانیت	۲۸
تقویٰ میں غلو، حلال روزی اب بھی ملتی ہے	۲۹

باب (۳)

رزق دینے والا اللہ تعالیٰ ہے

رزق دینے والا اللہ تعالیٰ ہے	۳۱
روزق ملتا ہے تقدیر سے نہ کہ تدبیر سے	۳۲
تدبیر میں غلو اور انسان کی کوتاہی	۳۳
قارون اور دہریوں کا مسلک	۳۳
توکل کے سلسلہ کی ایک حکایت	۳۴
توکل کی قسمیں اور ظاہری اسباب ترک کرنے کا شرعی حکم	۳۵
قوی النفس کی علامت	۳۶
ضروری تنبیہ	۳۷
مفید عملیات اور وظائف	۳۷
رزق تقدیر سے ملتا ہے نہ اس میں کمی ہوسکتی ہے اور نہ زیادتی	۳۹
مقدر کی روزی تو مل کر رہتی ہے	۴۰
ایک حکایت	۴۰
توحید میں غلو	۴۱
ایک غلط فہمی کا ازالہ	۴۲

باب(۴)

مال کمانے کا بیان

مال کمانے کی ترغیب اور بیکار رہنے کی مذمت ۴۵
مفت خوری اور ترک اسباب ۴۶
کام کرنے والے علماء کو معاش میں مشغول ہونے کی اجازت نہیں ۴۶
ضرورت کے وقت فارغ اہل علم کے لیے معاش کی آسان صورتیں ۴۷
دنیا کی حقیقت ۴۷
دنیا کی حقیقت اور دنیا مذموم ومحمود کا معیار ۴۸
دنیا کمانا دین کے منافی نہیں اور دین اس میں رکاوٹ نہیں ۴۹
حبِّ دنیا اور کسبِ دنیا کا فرق ۴۹
مال کمانے کا شرعی حکم ۵۰
رزق حلال کی کوشش کرنا ذکر وشغل سے بھی افضل ہے ۵۱
مال کی آمدنی کے متعلق بے احتیاطی اور اس کا وبال ۵۳

باب(۵)

مختلف پیشوں کا بیان

سب سے بہتر ذریعہ معاش کون سا ہے ۵۴
دست کاری کی اہمیت وفضیلت ۵۴
تجارت کی فضیلت ۵۵
کاشتکاری اور باغبانی کی فضیلت ۵۵
مزدوری کی اہمیت وفضیلت ۵۶
ملازمت ونوکری ۵۶

جن کی آمدنی خالص حرام کی ہو ان کی نوکری کرنا جائز نہیں ۵۷
جس نوکری سے نماز چھوٹتی ہو وہ چھوڑنے کے قابل ہے ۵۷
ناجائز کام کی نوکری ۵۸
جانور دکھلا کر پیسہ لینا جائز نہیں ۵۸
کچہری اور بینک کی ملازمت ۵۸
وکالت کا پیشہ ۵۹
وکالت کی آمدنی ۶۰
وکالت کا پیشہ فی نفسہ جائز ہے یا نہیں؟ ۶۰
چنگی کی ملازمت ۶۱
غیر مسلم حکومت کی ملازمت جائز اور اس کی تنخواہ حلال ہے ۶۲
غیر مسلم حکومت کی نوکری اچھی نوکری ہے ۶۲
ناجائز ملازمت اور ناجائز ذریعہ معاش فوراً نہیں چھوڑ دینا چاہیے ۶۴
بعض لوگوں سے حرام روزی نہ چھڑانے کی وجہ ۶۵
ضرورت کے وقت ناجائز عہدوں کو بھی قبول کرنے کی اجازت ہے ۶۶
جس کی آمدنی حرام کی ہو اس کے لیے حلال روزی کا طریقہ ۶۸
دلالی کی اجرت کی تعیین اور سودے سے بچنے کے لیے اس میں اضافہ ۶۹
دلالی کی ناجائز صورت ۷۰
نکاح کرانے کی دلالی اور رشتہ کرانے کی اجرت ۷۱
سفارش اور رائے مشورہ پر اجرت لینا ۷۱
نکاح خوانی کی اجرت ۷۲
ناحق مقدمہ جیت کر مال لینا درست نہیں ۷۲

قانون کے زور سے باپ کا مال جبراً لینا جائز نہیں ۷۳
غریب مزدور سے جبراً کام لینا ظلم ہے ۷۴
ایسا ظلم جس سے بہت کم لوگ بچتے ہیں ۷۴
ایک ظالم کا قصہ ۷۵
سفر حج میں تجارت ۷۶
سفر حج میں تجارت کرنا افضل ہے یا نہیں ۷۶
پینشن کی حقیقت اور اس کا حکم ۷۷
پینشن سود کے ساتھ ۷۷
پینشن کو بیچنے کا شرعی حکم ۷۸
کمپنی کے حصوں سے تجارت ۷۸
خاص قسم کے ٹکٹوں کی خرید وفروخت اور اس پر مشروط انعام ۷۹
دوسروں ملکوں میں امیدوں پر بھیج کر دھوکہ دینے کا پیشہ ۸۰
نمائش گاہ اور کافروں کے میلوں میں تجارت کے لیے جانا ۸۱
نمائش سے سامان خریدنے کا حکم ۸۲
آلات لہو باجے ٹی، وی وغیرہ کی مرمت کرنا درست ہے یا نہیں؟ ۸۳
آلات لہو اور ہندوؤں کے سامان فروخت کرنے کا حکم ۸۳
چھوٹے بچوں کے کھلونوں کی تجارت ۸۴
مسلمانوں کو غلہ کی بھی تجارت کرنا چاہئے ۸۵
مردار جانور کی چربی کی تجارت ۸۵
کسی کا حق وصول کرا دینے کی اجرت لینا ۸۶
ٹکلی کی بیع جس سے سانپ کی تصویر نکلتی ہے ۸۷

حقوق کی بیع درست نہیں ۸۸
زبردستی کسی شے کا بھاؤ مقرر کرنا حرام ہے ۸۸
آمدنی کے بعض مروجہ ناجائز طریقے ۸۸
معاملات کی گندگی ۸۹
تاجروں کو تجارت کے مسائل سیکھنا بہت ضروری ہے ۹۰
حضرت عمرؓ کا ارشاد ۹۰
حاکم کا رعایا سے تجارت کرنا ۹۱
معاملات بیع وشراء اور قرض سے متعلق چند ضروری ہدایات وآداب اور اہم مسائل ۹۲

باب(۶)

برکت کا بیان

کس کاروبار میں برکت ہوتی ہے کس میں نہیں ۱۰۳
کبھی دوسروں کی برکت سے تجارت میں برکت ہوتی ہے ۱۰۳
برکت کی حقیقت ۱۰۴
حلال کمائی میں بھی اگر برکت محسوس نہ ہو ۱۰۵
اللہ کا دیا ہوا تھوڑا رزق بھی قابل قدر ہے ۱۰۵
صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا ۱۰۶
زکوٰۃ ادا کرنے سے مال کی کمی کا شبہ اور اس کا جواب ۱۰۷

باب(۷)

تاجروں کے لیے ضروری ہدایات

تجارت کرنے والے کے لیے نرمی اختیار کرنا ضروری ہے ۱۰۹
قابل رشک وقابل قدر تاجر ۱۱۰

اپنوں سے بھی صفائی معاملات کی ضرورت ۱۱۰
صفائی معاملات کی اہمیت اور حساب لکھنے کی ضرورت ۱۱۱
قرض وغیرہ لین دین کو لکھنے کا شرعی حکم ۱۱۲
قرض لینے اور دینے والے کے لیے ضروری ہدایات ۱۱۳
روپئے ضرور گن لینا چاہئے ۱۱۴
حساب وکتاب اور قرض سے متعلق حضرت تھانویؒ کا معمول ۱۱۴
روپیہ پیسہ کا ادب اور ملازم کا احترام ۱۱۵
کس تجارت میں برکت ہوتی اور کس میں نہیں ۱۱۵
تجارت میں سچ بولنے کی اہمیت وافادیت ۱۱۵
دوکانداروں تاجروں کے لیے اہم ہدایات ۱۱۶
چوری یا نقصان ہوجانے سے بھی صدقہ کا ثواب ملتا ہے ۱۱۷
پیسہ گم ہوجانے پر بھی ثواب ملتا ہے ۱۱۷
چوری ہوجانے یا کسی قسم کا نقصان ہوجانے پر صبر وتسلی کا مضمون ۱۱۸
رنج وغم کا علاج ۱۱۹

باب (۸)

زمین وجائداد اور مکان کا بیان

زمین وجائداد کی قدر واہمیت اور زمین خریدنے بیچنے کی بابت اسلامی ہدایت ۱۲۰
زمین وجائداد کو باقی رکھنا چاہئے ۱۲۱
مکان بنانے کی مشروعیت ۱۲۲
مکان کی اہمیت اور اس کے منافع ۱۲۳
حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کا قصہ ۱۲۴

تجربہ کی بات ۱۲۴
مکان گرجانے پر صبر اور ضرورت کی وجہ سے مکان کی تبدیلی ۱۲۵
بے ضرورت مکان بنانے کی مذمت ۱۲۵
ضرورت ہر شخص کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے ۱۲۶
غیر ضروری عمارت کو گرانے سے متعلق ایک صحابی کا قصہ ۱۲۶
مکان بنانے کے حدود ۱۲۷
آج کل کے مکانات ۱۲۹
مکان بنوانے میں چند ضروری امور کا لحاظ ۱۲۹
دوسرے کے حق میں مکان بنوانا ۱۲۹
حضرت تھانویؒ کا قصہ ۱۳۰
مال حرام سے تعمیر ۱۳۱
ریاء وتفاخر ۱۳۱
چھوٹے مکانوں کی افادیت ۱۳۲
مکان کشادہ ہونا چاہئے ۱۳۲
بہت اونچے اونچے عالیشان مکان کی ناپسندیدگی ۱۳۳
عمارت بنانے میں حسن نیت ۱۳۳
مکان بنانے میں اللہ کی رضامندی اور ثواب کی نیت (ایک حکایت) ۱۳۴
اپنا مکان کسی کار خیر میں دے دینا یا وقف کر دینا ہر ایک کے لیے مناسب نہیں ۱۳۵
وطن کا مکان فروخت نہ کرنا چاہئے ۱۳۶

تقریظ عالی

حضرت اقدس مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ باندوی

سابق ناظم وبانی جامعہ عربیہ ہتورا، باندہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً ومسلماً۔

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا الشاہ محمد اشرف علی صاحب نور اللہ مرقدہ کے تجدیدی کارناموں کو انہیں کے الفاظ میں جدید اور دلچسپ انداز سے پیش کرنے کا سلسلہ عزیزم مولوی محمد زید سلمہ نائب مفتی نے شروع کیا ہے چنانچہ اس سلسلہ کی کافی کتابیں اکابر کی تحسین اور اہل قلم کی تائید کے ساتھ منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔

یہ کتاب جو تین حصوں پر مشتمل ہے اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہے اللہ پاک قبول فرمائے اور سب کو استفادہ کی توفیق مرحمت فرمائے۔

احقر صدیق احمد

خادم جامعہ عربیہ ہتورا باندہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مرتب

مال ودولت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے، مال کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور جنت جیسی لازوال نعمت حاصل کی جاسکتی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر وفاقہ اور قرض سے پناہ مانگی ہے، آپ کا فرمان ہے کہ قیامت کے روز کسی شخص کے قدم اپنی جگہ سے نہیں ہٹیں گے جب تک اس سے اس سوال کا جواب نہ لے لیا جائے کہ تو نے مال کہاں سے اور کیسے کمایا، اور کن مواقع میں خرچ کیا اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کمانے اور خرچ کرنے کے طریقے بھی بیان فرمائے ہیں، اور ہر زمانہ کے علماء ربانیین، مصلحین امت نے امت کو اس طرف توجہ دلائی ہے کہ دین صرف عبادت کا نام نہیں بلکہ رزق حلال کا اہتمام، صفائی معاملات بھی دین وشریعت کا اہم جزء ہے۔

محقق تھانویؒ نے بھی اپنے ملفوظات ومواعظ اور تصانیف میں اس کی طرف توجہ دلائی ہے اور کسب مال کے جائز ناجائز طریقوں اور خرچ کرنے کے حدود بیان فرمائے ہیں جو مختلف کتابوں اور ملفوظات ومواعظ میں منتشر تھے احقر نے ان سب کو یکجا کر کے مرتب کر دیا اس طرح اس سلسلے کے تین مجموعے تیار ہو گئے (۱) احکام المال یعنی مال کمانے کے طریقے (۲) حقوق المال یعنی مال خرچ کرنے کے طریقے (۳) مالداری اور غریبی اسلام کی نظر میں، ایک رسالہ اس سے قبل ’’سود رشوت اور قرض کے شرعی احکام‘‘ نام سے شائع ہو چکا ہے، یہ رسالے سب ایک ہی سلسلہ کی کڑی ہیں، ملازمین، تاجر پیشہ حضرات گھر گرستی چلانے والوں کے لیے ان شاء اللہ ان سب کا مطالعہ مفید ہوگا، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے اس کو قبول فرمائے۔

محمد زید غفرلہ مدرسہ ہتورا باندہ   جمادی الثانیہ ۱۴۰۶ھ

باب (۱)

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، اما بعد!

مال کی آمد وخرچ اور کسب معاش سے متعلق احادیث نبویہ

مال کی اہمیت

(۱) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا مال اچھے آدمی کے لیے اچھی چیز ہے۔ (احمد)

(۲) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ مال خوشنما اور خوش مزہ چیز ہے، جو شخص اس کو حق کے ساتھ یعنی شریعت کے موافق حاصل کرے اور حق کے ساتھ یعنی جائز موقعوں میں خرچ کرے تو وہ اچھی مدد دینے والی چیز ہے۔ (بخاری ومسلم)

(۳) مقدام بن معدی کربؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اس میں صرف اشرفی اور روپیہ ہی کام دے گا۔

(۴) حضرت سفیان ثوریؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا پہلے زمانہ یعنی صحابہ

کے زمانہ میں مال ناپسند کیا جاتا تھا کیونکہ دین کی قوت ہوتی تھی اس لیے مال سے قوت حاصل کرنے کی ضرورت نہ تھی، اوراس کی خرابیوں پر نظر کر کے اس سے دور رہنا پسند کرتے تھے۔

لیکن اس زمانہ میں وہ مال مؤمن کی ڈھال (حفاظت کا ذریعہ ہے) یعنی اس کو بددیانتی سے بچاتا ہے کیونکہ قلب میں وہ قوت نہیں پس مال کے نہ ہونے سے پریشان ہوجاتا ہےاور پریشانی میں دین کو برباد کرلیتا ہے، اور یہ بھی فرمایا کہ اگر ہمارے پاس اشرفیاں نہ ہوتیں تو یہ بڑے لوگ ہم کو ذلیل وخوار سمجھتے، اور ذلت سے بعض دفعہ دین کا بھی نقصان ہوجاتا ہے۔ اوراب مال کی وجہ سے ہماری عزت کرتے ہیں اور عزت کی وجہ سے ہمارا دین محفوظ رہتا ہے۔

اور یہ بھی فرمایا کہ جس شخص کے ہاتھ میں روپیہ پیسہ ہواس کو بڑھاتا رہے یا کم از کم اس کو برباد نہ کرے، کیونکہ یہ ایسا زمانہ ہے کہ اگر کوئی اس زمانہ میں محتاج ہوجاتا ہے تو سب سے پہلے اپنے دین ہی کو برباد کرتا ہے۔

اور یہ بھی فرمایا کہ حلال مال فضول خرچی برداشت نہیں کرسکتا، یعنی اکثر وہ اتنا ہوتا ہی نہیں کہ اس کو بے موقع اڑایا جائے، اور پھر بھی ختم نہ ہواس لیے اس کو سنبھال سنبھال کر ضرورت میں خرچ کرے تاکہ جلدی ختم ہوجانے سے پریشان نہ ہو۔

(شرح السنۃ حیات المسلمین ص:۱۸۲)

ارشادفرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تاجر لوگ قیامت کے دن فاجر یعنی نافرمان ہونے کی حالت میں اٹھائے جائیں گے، مگر وہ شخص جس نے خرید وفروخت میں تقوی اختیار کیا (یعنی جھوٹ نہیں بولا دھوکہ نہیں دیا) اور سچی قسم کھائی اور سچ بولا۔

(ترمذی، ابن ماجہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ جس شخص نے ایک بالشت بھر بھی

زمین بطور ظلم کے لے لی ہو، بے شک قیامت کے دن وہ ساتوں زمین اس کے گلے میں ڈالی جائے گی۔ (متفق علیہ)

حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا کہ اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طریقہ پر مت کھاؤ۔ (خطبات الاحکام ص:۱۰۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار کسی پر ظلم نہ کرو، کسی انسان کا مال اس کی دلی رضامندی کے بغیر حلال نہیں۔ (بیہقی، دارقطنی، حقوق العلم ص!۶۰)

۱- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے شراب اور مردار، خنزیر اور بتوں (تصویروں) کی خرید وفروخت کو حرام کردیا ہے۔ (ابن ماجہ)

۲- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے اور دلوانے والے پر۔ (احمد وبیہقی)

۳- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے اور کھلانے والے اور لکھنے والے اور گواہوں پر لعنت کی ہے۔

۴- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کوئی عیب دار چیز بیچی اور اس پر مطلع نہیں کیا (یعنی خریدنے والے کو بتلایا نہیں) وہ ہمیشہ خدا کی دشمنی اور غصہ میں رہتا ہے۔ یا یوں فرمایا کہ اس پر فرشتے ہمیشہ لعنت کرتے رہتے ہیں۔ (ابن ماجہ)

۵- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دھوکہ دینے کے لیے بولی نہ بڑھاؤ جیسا کہ بعض لوگ نیلام کرنے والوں سے مل کر بولی بڑھاتے رہتے ہیں تاکہ دوسرا شخص دھوکہ میں آکر زیادہ قیمت لگادے۔

اور اونٹنی بکری، نیز دوسرے جانوروں کا دودھ نہ روکو، جیسا کہ بعض لوگ خریدار کو دھوکہ دینے کے واسطے کیا کرتے ہیں۔ (متفق علیہ)

۶- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دھوکہ دے وہ مجھ سے تعلق رکھنے والا نہیں۔ (مسلم، خطبات الاحکام)

۷- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دھوکہ کی بیع سے منع فرمایا ہے۔ (مسلم)

۱- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جبرئیل نے میرے دل میں یہ القاء کیا ہے کہ کوئی جاندار نہیں مرے گا جب تک کہ اپنا رزق پورا نہ کرلے، خبردار! بس اللہ سے ڈرو، اور طلب معاش (یعنی مال کمانے) میں میانہ روی اختیار کرو۔ اور رزق ملنے میں دیر ہونا تم کو اس بات پر ہرگز برانگیختہ نہ کرے کہ اس کو اللہ کی نافرمانیوں کے ذریعہ طلب کرنے لگو (یعنی حرام طریقہ سے مال کمانے لگو) کیونکہ جو اللہ کے پاس ہے وہ حاصل نہیں کیا جاتا مگر اس کی فرمانبرداری کے ذریعہ سے اور اگر نافرمانی کے ساتھ مال ملے تو وہ نعمت نہیں بلکہ وبال جان ہے۔ آخرت میں اس کا عذاب ہوگا۔

(شرح السنہ وبیہقی (خطبات الاحکام)

۲- ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن کسی آدمی کے قدم حساب وکتاب کی جگہ سے اس وقت تک نہیں ہٹیں گے جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں کا سوال نہ ہوسکے گا۔ اور ان پانچ میں دو یہ بھی ہیں کہ اس سے مال کے متعلق بھی سوال ہوگا کہ کہاں سے کمایا یعنی حلال طریقہ سے یا حرام طریقہ سے۔ اور کہاں خرچ کیا۔ (ترمذی)

اس کی تفصیل یہ ہے کہ مال کمانے میں بھی کوئی کام دین کے خلاف نہ کرے، جیسے سود لینا، رشوت لینا، اور کسی کا حق دبالینا جیسے کسی کی زمین چھین لینا، یا کسی کا قرض ہڑپ کرلینا، یا کسی کا میراث کا حصہ نہ دینا، جیسے اکثر آدمی لڑکیوں کو نہیں دیتے، یا اس کے کمانے میں اتنا انہماک اور اس قدر مشغولی کہ نماز کی بھی پرواہ نہ رہے، یا آخرت کو

بھول جائے، یا زکوٰۃ اور حج ادا نہ کرے، یا دین کی باتیں سیکھنا یا بزرگوں کے پاس آنا جانا چھوڑ دے۔

اور اسی طرح خرچ کرنے میں بھی کوئی کام دین کے خلاف نہ کرے، جیسے گناہوں کے کاموں میں خرچ کرنا، یا شادی غمی کی رسموں میں یا نام کے لیے خرچ کرنا یا محض نفس کو خوش کرنے کے لیے ضرورت سے زیادہ کھانے پینے، کپڑے، مکان کی تعمیر یا سجاوٹ یا سواری شکاری، یا بچوں کے کھیل کھلونوں میں خرچ کرنا۔

(یعنی ان سب باتوں سے احتیاط رکھے، اور ان صورتوں میں اپنا مال خرچ نہ کرے)۔ (حیاۃ المسلمین ص:۱۸۰)

مال وعزت کی ضرورت

حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَلِلّٰہِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ۔

(یعنی عزت اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے لیے ہی ہے)۔

جس شخص کا اس آیت پر ایمان ہوگا وہ عزت حاصل کرنے سے کیسے روکے گا، عقلی طریقہ پر انسان کو دو چیزوں کی ضرورت ہے نفع حاصل کرنا، اور نقصان سے بچنا آدمی جو کچھ کرتا ہے اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ یا نفع حاصل کرتا ہے یا نقصان سے بچتا ہے، دوسری بات یہ سمجھئے کہ ضروری چیزوں کے طریقے بھی ضروری ہوتے ہیں، اور اس کا طریقہ مال وعزت کا حاصل کرنا ہے، کیونکہ مال تو فائدہ حاصل کرنے کے واسطے ہوتا ہے اور عزت نقصان سے بچانے کے لیے، اس تقریر سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ عزت اور مال پسندیدہ اور حاصل کرنے کے قابل چیزیں ہیں، بشرطیکہ صحیح طریقہ سے ہوں، شریعت کی حد میں رہ کر ہوں، اور جو لوگ مال وعزت حاصل کرنے کی برائی کرتے ہیں ان کا مطلب مال کی محبت اور عزت کی محبت سے منع کرنا ہے، اور محبت بھی ایسی جو حق

تعالیٰ کی محبت سے بڑھی ہوئی ہو کہ ان کی محبت میں اللہ تعالیٰ کی محبت کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا جائے۔ (وعظ العبرۃ ارشادات حکیم الامت ص:۴۶۳)

مال ودولت کی محبت اور حضرت عمرؓ کا ارشاد

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عجیب ارشاد ہے کہ آپ کے زمانہ میں کسی غزوہ سے بے شمار مال ودولت لایا گیا تو آپ نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ آپ کا ارشاد ہے: زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ. الآية۔ (پ:۳، آل عمران)

یعنی لوگوں کی نظر میں اپنی شہوتوں (خواہش) کی محبت مزین کردی گئی ہے یعنی عورتوں اولاد اور سونے چاندی کے ڈھیروں کی محبت لوگوں کے قلوب میں آراستہ کردی گئی ہے، اور اے پروردگار جب آپ نے خود ہی کسی مصلحت سے اس کی محبت کو مزین کردیا ہے تو یہ درخواست کہ ہمارے دل میں اس کی محبت ہی نہ رہے، خلاف ادب ہے، اس لیے یہ درخواست ہی نہیں کرتے بلکہ یہ درخواست کرتے ہیں کہ اس محبت کو اپنی رضا کا ذریعہ بنا دیجئے۔

تو دیکھئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر آج کون عارف (اور بزرگ زاہد) ہوگا، آپ نے مال کی محبت ختم ہوجانے کی دعا نہیں کی کیونکہ مال کی محبت میں بھی حکمتیں ہیں۔ (افناء المحبوب، تسلیم ورضا ص:۳۹۳-۳۹۴)

مال کی اہمیت

میں سفیان ثوریؒ کا قول عرض کرتا ہوں جو انہوں نے مال کے بارے میں فرمایا ہے اور یہ وہ بزرگ ہیں جو دنیا اور دنیا داروں سے انتہاء درجہ کی نفرت رکھتے تھے، وہ کہتے

ہیں کہ جس کے پاس پیسہ ہو اسے چاہئے کہ اس کی قدر کرے اڑائے نہیں، یہ حضرات مربی تھے، حدود کے سمجھنے والے تھے، آپ فرماتے ہیں کہ حلال میں اس کی گنجائش نہیں ہوتی کہ اس کو فضول خرچ کیا جائے، اور آپ اس کی مصلحت بھی بیان کرتے ہیں، کہ اگر دراہم (مال و دولت) ہمارے پاس نہ ہوتے تو حکمراں ہم کو رومال بنالیتے اور پامال کرتے (یعنی جس طرح چاہتے استعمال کرتے) واقعی جس کے پاس مال ہوتا ہے اس پر حکمراں دست اندازی نہیں کرسکتے، مال والا بڑی آن بان سے رہتا ہے، اس کی وہ عزت ہوتی ہے جو بے پیسہ والے کی نہیں ہوسکتی، اس کو سر نیچا نہیں کرنا پڑتا، بھائی اسی واسطے مال بڑی قدر کی چیز ہے۔ حضرت سفیان ثوریؒ نے مال کی یہ حکمت بیان فرمائی۔

اب آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ مال کیسی چیز ہے کیا یہ خدا تعالیٰ کی نعمت نہیں ہے کہ جیسے غریب پر امیر لوگ دست اندازی کرسکتے ہیں (اپنا تابع بنالیتے ہیں) مال والے پر نہیں کرسکتے، مالداری ہی تو اس کا سبب ہے بس ایسی چیز کو برباد کرنا کتنی بڑی حماقت ہے۔ (وعظ احکام المال ملحقہ التبلیغ ۱۵/۱۰۷)

مسلمانوں کی کمزوری کا سبب افلاس بھی ہے

اس وقت جو مسلمان کمزور نظر آتے ہیں اور دب گئے ہیں، اس کا ایک بڑا سبب افلاس (تنگ دستی) ہے جس نے سب کے سامنے جھکا دیا، اور پہلے بزرگوں پر قیاس نہ کرنا چاہئے، ان میں ایمانی قوت تھی، وہ افلاس (تنگدستی) سے پریشان نہ ہوتے تھے، اور اس وقت دین کی قوت تو مسلمانوں میں ہے نہیں، اگر مال کی بھی نہ ہو تو سوائے ذلت کے اور کیا ہوگا۔ (ارشادات حکیم الامت ص: ۴۹۳)

آج کل پیسہ کی قدر کرنا چاہئے، اس کے نہ ہونے کی وجہ سے بھی انسان بہت سی آفتوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، دین فروشی بھی اسی آفت کی ایک قسم ہے۔ دین کی

حفاظت کے لیے آج کل یہ ضروری ہے کہ مسلمان اپنے پاس کچھ رقم جمع رکھے۔

(انفاس عیسیٰ ص: ۳۰۸)

بعض طبیعتوں بلکہ اکثر لوگوں کے لیے اس زمانہ میں بقدر ضرورت مال جمع کرنا ضروری ہے ان کا تقویٰ مال ہی تک رہتا ہے اگر مال ہے تو نماز روزہ بھی ہے ورنہ کچھ نہیں۔ (ارشادات حکیم الامت ص: ۴۹۲)

مسلمانوں کی خوشحالی سے دل خوش ہوتا ہے

میں اگر کسی مسلمان کی زمین کسی کافر کے پاس دیکھتا ہوں تو میرا دل بہت دکھتا ہے اور کسی کے اچھے مکان کو دیکھتا ہوں تو پوچھتا ہوں کہ کس کا ہے؟ اگر معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کا ہے تو دل خوش ہوتا ہے، اگر معلوم ہوتا کہ مسلمان کا نہیں ہے تو افسوس ہوتا ہے۔

میں ایک ضرورت سے نظام آباد گیا تھا، وہاں سے حیدرآباد قریب تھا، میں سنتا تھا کہ وہاں مسلمانوں کو بہت ثروت (مالداری) ہے، غیر قوموں سے بھی مال داری میں بڑھے ہوئے ہیں، اس لیے وہاں سے میں حیدرآباد بھی گیا تا کہ مسلمانوں کو عزت کی حالت میں دیکھوں۔

میں گو مسلمانوں کے لیے فی نفسہ مالدار ہونا پسند نہیں کرتا، مگر دوسروں کے مقابلہ میں اس کو پسند کرتا ہوں بشرطیکہ وہ احتیاط کریں، اس لیے جب کسی کو مال اڑاتے ہوئے دیکھتا ہوں تو یوں کہتا ہوں کہ اس کو کیا ہوگیا، کہ خدا تعالیٰ کی نعمت کی قدر نہیں کرتا، بلکہ میں تو معصیت (گناہ) ہونے کے علاوہ دنیا کی مصلحت سے بھی اسراف (فضول خرچی) کو پسند نہیں کرتا، دنیاوی اعتبار سے بھی مصلحت کا تقاضہ یہ ہے کہ مال کو بے جا خرچ نہ کیا جائے۔

(التبلیغ ۱۵/۱۰۵، احکام المال)

مال کو جمع کر کے رکھنے کی ضرورت

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری توبہ یہ ہے کہ میں ہمیشہ سچ بولوں گا اور اپنے کل مال کو اللہ و رسول کی نذر کر کے اس سے دست بردار ہو جاؤں گا، (یعنی سب مال صدقہ کر دوں گا) آپ نے فرمایا کچھ مال روک لینا چاہئے، یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور (اس میں تمہارے لیے) مصلحت ہے اور وہ مصلحت یہی ہے کہ گذر کا سامان اپنے پاس ہونے سے پریشانی نہیں ہوتی۔ (ترمذی، حیٰوۃ المسلمین ص:۱۸۵)

میں آج کل مسلمانوں کو خالی ہاتھ رہنے کی رائے نہیں دیتا بلکہ وہ رائے دیتا ہوں جو حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ والوں کو دی تھی، فرمایا کرتے تھے آج کل کسی کے پاس کچھ دینار (روپیہ پیسہ) ہوں تو ان کی قدر کرے، کیونکہ پہلے تو ایسا زمانہ تھا کہ روپیہ پیسہ نہ ہونے سے دین پر اندیشہ نہ ہوتا تھا، اور اب وہ زمانہ ہے کہ روپیہ پیسہ نہ ہونے سے دین پر اندیشہ ہے، اور روپیہ پیسہ پاس ہو تو دین کی حفاظت رہتی ہے۔ جب حضرت سفیان ثوریؒ ہی کے زمانہ میں یہ حالت ہو چلی تھی تو اب تو اس کی اور زیادہ ضرورت ہے۔ (تجدید معاشیات ص:۳۳۰)

علماء و مشائخ کو بھی اپنے پاس مال جمع رکھنے کی ضرورت

دین کی حفاظت کے لیے آج کل یہ ضروری ہے کہ مسلمان اپنے پاس کچھ رقم جمع رکھیں، امام سفیان ثوریؒ جو امام ابو حنیفہؒ کے معاصر ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ آج کل کسی کے پاس کچھ دراہم ہوں تو ان کی حفاظت کرے اور فرمایا اگر ہمارے پاس چند دراہم نہ ہوتے تو یہ امراء رؤساء اور حکام تو ہم کو اپنے ہاتھ پوچھنے کا رومال بنا لیتے۔

واقعی آج کل جو امراء (مالداروں) نے علماء کو حقیر سمجھ رکھا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ علماء اپنے پاس مال نہیں رکھتے، اگر ان کے پاس مال جمع رہا کرے تو امراء بھی ان کی عزت کریں، اور یہ خود بھی اپنی عزت کریں یعنی امیروں کی خوشامد چاپلوسی کر کے اپنے کو ذلیل نہ کریں۔ (افناء المحبوب ملحقہ تسلیم و رضا ص: ۳۹۶)

عزت کا مدار استغناء اور ذلت کا مدار احتیاج پر ہے لباس وضع کو اس میں دخل نہیں، اگر کپڑے پرانے ہیں اور ہفت اقلیم کا بھی دست نگر نہیں تو وہ معزز ہے، اور اگر لباس و وضع نوابوں کا سا ہے ہزاروں روپیہ تنخواہ ہے ہزاروں روپیہ جائداد کی آمدنی ہے، مگر نظر اس پر ہے کہ اس مقدمہ میں کچھ اور مل جائے اور فلاں معاملہ میں کچھ اور ہاتھ آجائے، تو ایسا شخص بالکل ذلیل ہے۔ (تجدید تعلیم ص: ۳۴، دعوات عبدیت ص: ۳۷)

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب (مہاجر مکی حضرت تھانویؒ کے پیر و مرشد) کا بھی یہ ارشاد تھا کہ اپنے پاس کچھ مال جمع رکھنا چاہیے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہم جیسے ضعیفوں کی رعایت سے سال بھر کا نفقہ اپنی ازواج کو ایک دم سے دیا ہے تا کہ ہم کو جواز کے ساتھ اتباع سنت کا بھی ثواب مل جائے۔

نیز اس میں عبدیت کا اظہار بھی تھا، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی غلہ اناج کی احتیاج تھی ورنہ بعض اولیاء نے ایک دن کا خرچ بھی نہیں رکھا، اور یقیناً وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ متوکل نہ تھے، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار عبدیت کے لیے سال بھر کا نفقہ جمع کیا تھا۔

الغرض عبدیت کا اظہار اسی میں ہے کہ بقدر ضرورت مال جمع رکھے اسی لیے امام سفیان ثوریؒ نے زمانہ سابق میں اور اخیر میں ہمارے حضرت حاجی صاحب نے بقدرِ ضرورت مال جمع رکھنے کی ہدایت کی ہے۔ (افناء المحبوب ۱۵/۳۹۷)

علماء مالدار کیسے ہوں

بعض لوگ اپنی اولاد کو علم دین اس لیے نہیں پڑھاتے کہ مولوی غریب ہوتے ہیں میں کہتا ہوں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ علم دین غریب ہی لوگ پڑھتے ہیں، اگر امراء کے بچے علم دین پڑھنے لگیں تو مولوی امراء اور مالدار ہونے لگیں، تو تم اس کا اہتمام کیوں نہیں کرتے۔ (تجدید تعلیم وتبلیغ ص:۲۴)

جو طبقہ مالداروں کا ہے جن کو خدا نے ہر طرح سے دنیا کی فراغت عطا کی ہے نہ ان کو ملازمت کی ضرورت ہے نہ کھانے پینے کی فکر ہے خدا کا دیا ہوا ان کے پاس سب کچھ ہے، اور اتنا ہے کہ کئی پشتوں کے لیے کافی ہے، ان کے ذمہ ضروری حق ہے کہ یہ لوگ متبحر عالم بنیں...... ان لوگوں کو چاہئے کہ جب خدا نے ان کو فراغت دی تھی تو بے فکر ہو کر دین کی خدمت میں لگتے، اور ساری عمر اسی میں ختم کر دیتے، پھر آپ دیکھتے کہ علماء میں کیسے کیسے لوگ پیدا ہوتے .... خدا نے جو ان کو نعمتیں دی ہیں اس کا شکر یہی تھا کہ یہ لوگ فارغ ہو کر علم دین میں تبحر حاصل کرتے اور اپنی اولاد کو عربی پڑھاتے۔

(التبلیغ ۲۱/۱۸۲، ۱۷۵)

باب (۲)

حرام روزی کی نحوست

حرام خور کی دعا مقبول نہیں ہوتی

مسند احمد اور بیہقی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ارشادات روایت کئے گئے ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ حلال روزی کمانا بھی نماز روزہ فرائض کے بعد فرض ہے۔

اور کسبِ حلال (یعنی حلال روزی کمانے) سے آدمی مستجاب الدعوات ہو جاتا ہے (یعنی اس کی دعاء قبول ہوتی ہے) اور ایک لقمہ حرام بھی جو منھ تک جاتا ہے، اس کے وبال سے چالیس روز تک دعاء قبول نہیں ہوتی۔

اور اگر دس درہم کی پوشاک میں ایک درہم یعنی چار آنہ کی بھی مقدار حرام مال ہو تو جب تک وہ لباس بدن پر رہتا ہے اس کی نماز (عند اللہ) مقبول نہیں ہوتی۔ اور حرام مال سے نہ صدقہ خیرات قبول نہ اس سے خرچ کرنے میں برکت ہوتی ہے، اور جو شخص حرام مال چھوڑ کر مر جائے وہ مال اس کو دوزخ میں لے جانے کا رہبر ہو جاتا ہے، اور جو بدن حرام مال سے پلا ہو وہ جنت میں نہ جائے گا، بلکہ وہ دوزخ ہی کے لائق ہے۔ (صفائی معاملات ص: ۳۰)

حرام روزی کا وبال

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں داخل نہیں ہوگا وہ گوشت جو بڑھا ہوا ہو حرام سے (یعنی جس کی پرورش حرام مال سے ہوئی ہو) اور جو گوشت حرام سے بڑھا ہوا ہو اس کے لائق تو دوزخ ہی ہے۔

ایک حکایت

حرام مال سے باطن کا جو نقصان ہوتا ہے اس کو اہل بصیرت خوب جانتے ہیں، عبدالرحمٰن خاں صاحب نے مولانا ابوالحسن لکھنوی کی مجھ سے حکایت بیان کی تھی، کہ ایک مرتبہ ان پر اور ان کے خادموں اور متعلقین پر کئی روز کا فاقہ ہوا، پھر ایک دن ایک شخص آپ کے لیے بہت عمدہ بریانی لایا، آپ کو کشف سے معلوم ہوگیا کہ یہ بریانی حرام مال سے تیار ہوئی ہے، آپ نے خادم کو حکم دیا کہ اس کو کوئی نہ کھائے بلکہ زمین میں دفن کردیا جائے، بعض مریدوں کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ شیخ کے دماغ میں ذکر کی کثرت سے خشکی پیدا ہوگئی ہے بھلا کئی روز کے فاقہ کے بعد تو خدا نے رزق دیا ہے، آپ نے اس کو دفن کرادیا، مولانا کو اس خیال کا بھی کشف ہوگیا، تو حکم دیا کہ اچھا اس بریانی کو کھود کر دیکھو، دیکھا گیا تو برتن کیڑوں سے بھرا ہوا تھا، آپ نے فرمایا کہ میں نے اس کو اس لیے دفن کرایا تھا کہ تمہارے پیٹ میں جا کر اس بریانی سے بلائیں (مصیبتیں اور ظلمت) پیدا ہوجاتی اور تم کو تکلیف ہوتی۔

اسی طرح حضرت مولانا نانوتویؒ سے شاہجہاں پور کے ایک بزرگ نے بیان کیا کہ مولانا میں تو سُور کے بچے لوگوں کے پیٹ میں بولتے ہوئے دیکھتا ہوں پھر کیوں کر ہر ایک کی چیز (یعنی ہدیہ) لے لوں۔ (وعظ العشر ملحقہ حقوق وفرائض ص:۵۸۶)

ایک بزرگ کی حکایت

ایک بزرگ کا لڑکا بہت شریر تھا، کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ یہ اس رات کا نطفہ ہے جس رات میں بادشاہ کے باورچی نے میری دعوت کی تھی، اور شاہی باروچی خانے کا کھانا کھلایا تھا، یہ اس کا نتیجہ ہے۔ غرض اس کی ظلمت بڑی سخت ہوتی ہے، اس لیے اپنے بچوں کو بھی حرام سے بچانا چاہئے۔

رزق حرام کی نحوست

پیٹ بدن کے حوض کی طرح ہے اور دوسرے اعضاء نالیوں کی طرح ہیں، جو اس سے پھوٹی ہوئی ہیں، پس جیسا حوض میں پانی ہوگا نالیوں میں بھی ویسا ہی آئے گا، اگر حوض میں پانی پاک وصاف ہے تو نالیوں میں بھی پاک وصاف ہوگا، اور اگر حوض میں ناپاک اور خراب پانی ہے، تو نالیوں میں بھی خراب پانی ہوگا، پس اگر پیٹ میں حرام غذا ہے تو اعضاء سے اعمال بھی خبیث ہی صادر ہوں گے، اور اگر حلال غذا ہے تو اعمال بھی نیک ہوں گے۔ اور ہماری حالت یہ ہے کہ کھانا حرام، کپڑا حرام، روپیہ حرام۔

(الصیام ص: ۱۶۹، ملحقہ فضائل صوم وصلوٰۃ)

حرام کھانے سے دل میں ظلمت پیدا ہوتی ہے اور بعض اللہ والوں کو پتہ بھی چل جاتا ہے اور اس کو اس سے سخت تکلیف ہوتی ہے، حتیٰ کہ کبھی قے بھی ہو جاتی ہے، جیسے مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کاندھلوی کی مشہور کرامت تھی کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو مشتبہ کھانا ہضم نہیں ہوتا تھا، اسی وقت قے ہو جاتی تھی، ورنہ ظلمت کی پریشانی تو ضرور ہوتی ہے۔ (وعظ تنظیم الشعائر)

ایک حکایت

ایک حکایت حرام کھانے کی مولانا محمد یعقوب صاحب نے خود اپنی بیان فرمائی کہ ایک رئیس کے یہاں سے لڈو آئے تھے، اس میں سے ایک میں نے کھالیا (جو مشتبہ اور ناجائز آمدنی کے ہوں گے) تو ایک مہینہ تک دل کی یہ حالت تھی کہ یوں وسوسہ آتا تھا کہ نعوذ باللہ کوئی حسین عورت ہو تو اس سے متمتع ہوں۔ فرماتے تھے کہ خدا خدا کر کے ایک مہینہ کے بعد اس کا اثر زائل ہوا۔ اور میں سخت پریشان رہا۔ اگر حرام سے خود نہ بچو، تو دوسروں کو تو مت کھلاؤ، خصوصاً ایسے مال سے قربانی ہرگز نہ کرنا چاہئے۔

(تعظیم الشعائر ملحقہ سنت ابراہیم)

حرام مال نہ خود کھانا جائز نہ دوسروں کو کھلانا جائز

حرام مال نہ خود کھانا جائز ہے نہ دوسروں کو کھلانا جائز ہے، حتی کہ کافر کو بھی حرام مال کھلانا جائز نہیں۔ یہاں تک کہ ناپاک چیزوں کا کھلانا جانوروں کو بھی جائز نہیں۔ بعض لوگ ایسا کھانا جس میں کتا، بلی منھ ڈال جائے بھنگی کو دے دیتے ہیں یہ ناجائز ہے، بلکہ یہ کرنا چاہئے کہ اس سے کہہ دیں کہ اس چیز کو پھینک دو، اس کے بعد اگر وہ خود کھالے یا اپنے گھر لے جائے یہ اس کا فعل ہے تم خود اس کو استعمال کے لیے مت دو۔

(خلاصہ یہ کہ) جس چیز کا خود کھانا حرام ہے اس کا اولاد کو کھلانا بھی حرام ہے، بلکہ جانوروں کو کھلانا بھی حرام ہے، جانوروں کو خود نہ کھلاؤ بلکہ ایسی جگہ رکھ دو کہ وہ خود آکر کھالیں۔

یاد رکھو کہ جو شخص اپنی اولاد کو حرام کھلاتا ہے وہ ان کے اندر شرارت کا مادہ پیدا کرتا ہے۔ (العشر ملحقہ حقوق وفرائض)

رزق حلال کی برکت ونورانیت

حضرت مولانا گنگوہیؒ ایک حکیم صاحب کے مکان پر تشریف لائے تو حکیم صاحب نے صاف کہہ دیا کہ (حضرت) میرے یہاں تو آج فاقہ ہے (کچھ کھلانے کھانے کو ہے نہیں) اگر اجازت ہو تو اور کسی دوست کو کھانا پکانے کا مشورہ دوں۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں تمہارا مہمان ہوں اگر تمہارے یہاں فاقہ ہے تو ہم بھی فاقہ ہی سے رہیں گے، سبحان اللہ! یہ حضرات اللہ والے ہیں، شام کو مغرب کے قریب حکیم صاحب کے پاس کہیں سے کچھ روپے آگئے، تو خوب دعوت کی چنانچہ شاہ عبداللہ صاحب نے پانچ آنے جمع کئے اور پیسے لاکر دے دیئے کہ میں کہاں جھمیلے میں پڑوں گا میرے اہل وعیال نہیں ہیں، آپ خود میٹھے چاول پکا کر کھا لیجئے، اور ایک لمبی فہرست بتلادی کہ اتنے آدمیوں کی دعوت ہے جس میں سب بزرگ آگئے، اور دعوت کا انتظام مولانا محمد یعقوب صاحب کے سپرد ہوا، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں بڑی احتیاط سے کام لیا کہ کوری (نئی) ہانڈی منگائی اور پکانے والے کو وضو کرایا جب وہ کھانا تیار ہوا تو سب نے دو دو لقمے اس میں سے کھائے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ وہ دو لقمے کھا کر ایک مہینہ بھر تک ایک نور دل میں رہا، یوں جی چاہتا تھا کہ اللہ کے سوا سب کو چھوڑ کر یکسو ہو جاؤں، میں نے اپنے دل میں کہا کہ جس کی پاک کمائی کے دو لقموں میں یہ نورانیت ہے اس شخص کے قلب کی کیا کیفیت ہوگی جو دو وقت یہی غذا کھاتا ہے، یہ حلال کھانے کی حکایت تھی۔

(تعظیم الشعائر ملحقہ سنت ابراہیم ص: ۲۳۲)

تقویٰ میں غلو

حلال روزی اب بھی ملتی ہے

بعض واعظوں سے لوگوں نے قصے سنے ہوں گے کہ ایک شخص رزق حلال کی تلاش میں کسی بزرگ کے پاس آیا اور کہا کہ میں آپ کے پاس رزق حلال کی طلب میں آیا ہوں۔ یہ سن کر وہ بزرگ رونے لگے، اور کہا کہ اب تک تو میری روزی حلال تھی لیکن اب نہیں رہی، ایک دن میرے بیل دوسرے شخص کے کھیت میں چلے گئے تھے، اس کے کھیت کی مٹی میرے بیلوں کے پیر کو لگ گئی اور میرے کھیت میں مل گئی اب مجھے شبہ ہو گیا ہے۔

ایسے قصے سن کر لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ بس تقویٰ بہت دشوار ہے، حالانکہ یہ قصہ شریعت کے بھی خلاف ہے، اور عقل کے بھی، عقل کے خلاف اس لیے کہ بیل کے پیر کو جو مٹی لگ جاتی ہے، وہ تھوڑی دور چلنے سے جھڑ جاتی ہے، تو کیا یہ ضروری ہے کہ دوسرے کھیت کی مٹی اس کے کھیت میں مل گئی ہو، پھر اگر دوسرے کے کھیت کی مٹی اس کے کھیت میں مل گئی ہو، تو ایسے ہی ان کے کھیت کی مٹی اس کے کھیت میں بھی مل گئی ہو گی تو برابر سرابر کا معاملہ ہو گیا۔

اور شریعت کے خلاف اس لیے ہے کہ شریعت نے ایسے مبالغہ کو تعزیر کے قابل سمجھا ہے۔ مثلاً ایک دانہ گیہوں کی تعریف و تشہیر (یعنی اعلان) کرتا پھرے کہ یہ دانہ کس کا ہے؟ تو فقہاء کہتے ہیں کہ اس شخص کو سزا دی جائے گی، کیونکہ شریعت نے اتنی تھوڑی مقدار کو قابل تشہیر اور لقطہ[1] میں داخل نہیں بنایا کیونکہ یہ مال نہیں۔ شریعت نے تو

---

[1] لقطہ: اس مال کو کہتے ہیں کہ کہیں گرا پڑا مل جائے، اس کا یہ حکم ہے کہ اعلان کر کے اس کے مالک تک پہنچا دے اگر مالک نہ ملے تو صدقہ کر دے۔

اس کو لُقطہ نہیں بنایا۔ اور یہ شخص اس کو لُقطہ بتاتا ہے گویا اپنی طرف سے نئی شریعت ایجاد کرتا ہے۔

اگر بیل کے پیر کو مٹی لگ جائے تو یہ کوئی قیمتی چیز نہیں چنانچہ اتنی مٹی کی بیع جائز نہیں اور جب قیمتی نہیں تو اس کا ضمان بھی نہیں، پھر اس کے کھیت میں ملنے سے شبہ کیوں ہوگیا، اور اگر بالغرض ضمان بھی لازم ہوتا تو اس کا ضمان ادا کر دینا کافی تھا، تم نے اپنے کھیت کی مٹی دوسرے کے کھیت میں ڈال دی ہوتی اس سے کھیت کا غلہ اور پیداوار کیوں حرام ہوگیا۔

پس یا تو یہ قصہ موضوع (گھڑا ہوا) ہے یا یہ لوگ اہل حال ہیں جو معذور ہیں، یا وہ شریعت سے ناواقف ہوں گے، اس لیے ایسے اقوال حجت نہیں۔

واعظوں اور مبلغین کو ایسے قصے بیان کرنا جائز نہیں اس قسم کے قصوں سے لوگ سمجھتے ہیں کہ تقوی بہت دشوار ہے اور جب تقویٰ حاصل نہیں ہوسکتا اور حرام کھانے سے چارہ نہیں تو تھوڑا کیا تب کیا، زیادہ کیا تب کیا، (سب برابر ہے) بس اب بے احتیاطی شروع ہوگئی، پہلے ایک بے احتیاطی ہوئی پھر دوسری پھر تیسری، پہلے تو شبہات سے بچنے کا اہتمام تھا، اب صریح حرام سے بھی باک نہیں، یہ انجام ہے غلو اور مبالغہ کا۔

یہ وہ زمانہ ہے کہ آج کل مشتبہ چیزوں کو بھی حلال کیا جاتا ہے، نہ یہ کہ حلال کو بھی اس میں شبہات نکال کر حرام کر دیا جائے، بس یہ معیار یاد رکھو کہ جس کو فقہی فتویٰ حلال کر دے (یعنی فتوی کی رو سے جو حلال ہو) بس وہ حلال ہے۔

(دعوت وتبلیغ ص: ۳۲۱، التبلیغ ۶۷/۱۰)

باب (۳)

رزق دینے والا اللہ تعالیٰ ہے

حق تعالیٰ فرماتے ہیں **وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا**، جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک راستہ نکال دیتے ہیں، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ (ذریعۂ معاش) نوکری، زراعت، تجارت کی ضروت نہیں رہے گی۔

زراعت، تجارت، ملازمت (ودیگر ذریعۂ معاش کی مثال) فقیر کے تھیلے کی سی ہے، حق تعالیٰ کا معاملہ اکثر یہ ہے کہ جو شخص جو تھیلا پھیلاتا ہے حق تعالیٰ اسی میں عطا کرتے ہیں، ہاں بعض لوگوں کو تھیلا لائے بغیر بھی دیتے ہیں۔

دیکھو دنیا میں بھی دینے کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ کھانا دے دیا مگر شرط یہ ہے کہ اپنا برتن لاؤ، اور ایک شکل یہ کہ کھانا برتن کے ساتھ دے دیا، پس جس طرح تھیلا لانے پر سخی اس دینے والے ہی کو سمجھتے ہیں تھیلے کو کوئی مؤثر نہیں سمجھتا، چنانچہ اس صورت میں اگر کوئی شخص تھیلے کا کھانا نکال کر کہنے لگے کہ یہ تو خود میرے برتن میں سے نکلا ہے کسی نے اس میں ڈالا نہیں تو یہ اس کی حماقت ہے۔ اور اس سے کہا جائے گا ارے بے وقوف برتن میں کیا تھا وہ تو محض ظرف ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی کسی مصلحت سے قانون مقرر کر دیا ہے کہ اپنا برتن لاؤ اور لے جاؤ۔ تو یہ تجارت، ملازمت، زراعت (کاشتکاری) برتن ہیں، اب اگر کوئی کہنے لگے کہ خدا نے نہیں دیا وہ تو میری ملازمت یا تجارت یا زراعت سے پیدا ہوا تو جس طرح وہ بیوقوف ہے، اسی طرح یہ بھی بیوقوف ہے۔

مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہیں، تجارت، ملازمت وغیرہ حق تعالیٰ سے لینے کے

ذریعہ ہیں، اس واسطے توکل کے بھروسہ نوکری مت چھوڑو، بلکہ یہ تھیلا رکھو (یعنی ذریعہ معاش اختیار کرو) اور خدا سے مانگو۔ (روح الافطار ص: ۱۸۷، برکات رمضان ص: ۱۹۴)

رزق ملتا ہے تقدیر سے نہ کہ تدبیر سے

مسلمان کے تو عقیدے میں داخل ہے کہ کوئی چیز ہو ہی نہیں سکتی جب تک کہ حق تعالیٰ کا ارادہ نہ ہو، (کسی بھی معاملہ میں) کوشش کے بعد بھی نتیجہ کا وجود نہیں ہوتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے چاہنے سے ہوتا ہے۔ (التبلیغ رجاء الغیوب ص: ۹۸)

یہ مذہب تو دہریوں کا ہے کہ مال کی کمائی محض ہماری کوشش سے ہوتی ہے، ہم تو کہتے ہیں کہ واقعی اگر کمانا ہی کامل سبب ہے تو ہم ایک ایسے شخص کی سوانح عمری (پوری زندگی) پیش کر سکتے ہیں جو دس روپے روز کی مزدوری کرتا تھا، سامان ڈھوتا تھا پھر ایک حالت اس پر ایسی آئی کہ وہ لکھ پتی ہو گیا، ہم اس سے پوچھتے ہیں کہ تم نے کیسے ترقی کی؟ اس نے تمام عمر کی داستان سنانا شروع کر دی کہ پہلے دس روپے روز کا مزدور تھا، پھر ترقی کرتے کرتے بیس روپے کا ہوا (پھر کاریگری) پھر نوکری شروع کر دی پھر ٹھیکے لینا شروع کئے، اس طرح کرنے سے بیس برس میں لکھ پتی بن گیا۔ اب اس کی زندگی کے پورے حالات لکھ لو اور کسی ایسے شخص کو جو اس سے دوگنا کماتا ہو اسی طرح عمل کرا کے تم چالیس برس میں ہزار پتی بنا کر دکھا دو، ہرگز نہیں بنے گا۔ کیوں صاحب! اگر تدبیر ہی رزق کی کامل علت ہے (یعنی محض انسان کی تدبیر ہی سے رزق ملتا ہے) تو پھر اس کے خلاف کیوں ہوتا ہے (ہمیشہ اس پر نتیجہ کیوں مرتب نہیں ہوتا) حقیقت میں رزق دینے والا اللہ ہی ہے مگر وہ حکمت سے دیتے ہیں۔

(روح الافطار ملحقہ برکات رمضان ص: ۱۹۱)

تدبیر میں غلو اور انسان کی کوتاہی

ساری خرابی تدبیر میں غلو اور انہماک کی ہے کہ اس پر بھروسہ ہو جاتا ہے، اسی واسطے اجمال فی الطلب کی تعلیم دی گئی ہے (یعنی یہ کہ مال کی طلب میں اعتدال اختیار کرو غلو اور انہماک نہ ہو) تاکہ تدبیر پر بھروسہ نہ ہونے پائے، لوگ کہہ دیتے ہیں کہ تدبیر اختیار کرنے میں کیا حرج ہے، مگر حضرات آپ نے غور نہیں کیا کہ جب سے تدبیر میں غلو ہوا ہے اس وقت سے لوگ فاعل حقیقی بننے لگے، ان کے حالات سے معلوم ہوتا ہے فاعل حقیقی کو زبان سے حق تعالیٰ کو کہتے ہیں مگر دل میں اپنی تدبیر پر اتنا بھروسہ ہوتا ہے کہ اس کے بعد نتیجہ مرتب ہونے کے لیے اللہ کی مشیت کا خیال بھی کم آتا ہے، حالانکہ تدبیر کے بعد بھی اللہ کی مشیت ہی سے سب کچھ ہوتا ہے۔ دیکھو حق تعالیٰ ایسے فعل کے متعلق جو ظاہرا تمہارے اختیار میں معلوم ہوتا ہے فرماتے ہیں ”اَفَرَءَیْتُمْ مَا تَحْرُثُوْنَ۔ یعنی اپنے بونے اور کھیتی کرنے کو بھی تم نے دیکھا کیا تم اس کو اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں؟

دیکھ لیجئے ظاہری نظر میں تو کھیت کا پیدا ہونا اور غلہ کا حاصل ہونا انسان کے اختیار میں ہے۔ پھر اس پر یہ سوال کرنا کہ اس کھیت کو تم تیار کرتے ہو یا ہم کیسے ٹھیک ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اپنے کسی فعل پر نتیجہ مرتب ہوتا ہوا دیکھ کر اس کی حقیقی نسبت اپنی طرف کرنا صحیح نہیں۔ (التبلیغ ص: ۹۹، رجاء الغیوب)

قارون اور دہریوں کا مسلک

یہ تو قارون کا مذہب ہے جس نے اپنے مال کو کہا تھا کہ خدا نے نہیں دیا بلکہ میرے پاس ایک ہنر ہے اس کی بدولت مجھے یہ حاصل ہوا ہے۔ اپنے مال کو ہنر کی طرف منسوب کرتا تھا تو یہ قارون کا مذہب ہے کہ رزق کی حقیقی علت نوکری، تجارت، کاشتکاری کو قرار دیا۔

خوب سمجھ لو کہ یہ کاسۂ گدائی ہیں (یعنی بھیک مانگنے کے برتن)، خدا تعالیٰ کی اکثر عادت یہی ہے کہ برتن لاؤ تو دیں گے، تجارت کرو یا نوکری کرو، یا کاشتکاری، دیتے وہی ہیں .... یہ سب انہیں کے تصرفات ہیں، ہاں رزّاق تو نظر نہیں آتا رزق نظر آتا ہے، یہ حضرت سمجھے کہ رزّاق کوئی ہے ہی نہیں۔ دیکھو ٹکٹ کی مشین ہے دو پیسے ڈالنے سے پلیٹ فارم کا ٹکٹ نکل آتا ہے اب اگر کوئی سمجھے کہ کسی کے ڈالے بغیر مشین سے نکلتے ہیں تو یہ اس کی غلطی ہے ٹکٹ بابو اس میں ٹکٹ نہ ڈالے پھر دیکھیں ٹکٹ کیسے نکلتے ہیں۔ (روح الافطار ص:۱۸۹)

توکل کے سلسلہ کی ایک حکایت

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے قحط کے زمانے میں بغداد کے اندر ایک غلام کو دیکھا جو بڑا موٹا تازہ ہو رہا تھا اور بڑی بے فکری کے ساتھ اچھلتا کودتا جا رہا تھا، میں نے اس سے کہا کہ اے شخص تو بڑا بے فکر ہے حالانکہ مخلوق قحط سے پریشان ہے، تمہیں بالکل فکر نہیں جو اس آزادی سے پھر رہے ہو؟ اس نے کہا مجھے فکر کی کیا ضرورت میرا نفقہ تو آقا کے ذمہ ہے اور اس کے دس گاؤں ہیں، اب مجھے کیا فکر؟ وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ اس کے جواب سے میرے دل پر چوٹ لگی کہ اس کا آقا صرف دس گاؤں کا مالک ہے اس پر اسے اتنی بے فکری ہے، اور اے نفس تیرا مالک تو تمام زمین و آسمان کا مالک ہے، پھر تجھے اس قدر فکر کیوں؟ بس میں نے فوراً توبہ کی۔

اس حکایت سے کوئی صاحب کہیں یہ نتیجہ نہ نکالیں کہ بس ہم بھی بے فکر ہو کر بیٹھ جائیں نہ ہمیں نوکری کی ضرورت ہے نہ تجارت، زراعت کی کیونکہ یہ بزرگ صاحب حال تھے، اگر تم پر حال طاری ہو تو بسم اللہ مبارک ہو، سب کو چھوڑ و۔

(التبشیر ملحقہ دعوت وتبلیغ ص:۳۷۱، السوال فی شوال ص:۲۰۰)

توکل کی قسمیں اور ظاہری اسباب ترک کرنے کا شرعی حکم

توکل کی دو قسمیں ہیں، علماً وعملاً (یعنی ایک باعتبارعقیدہ کے دوسرے باعتبارعمل کے) علماً (یعنی اعتقادی) تو یہ کہ ہر معاملہ میں متصرف حقیقی اور مدبر حقیقی حق تعالیٰ شانہ کو سمجھے اور اپنے کو ہر معاملہ میں ان کا محتاج اعتقاد کرے۔

یہ توکل تو ہر امر میں فرض اور اسلامی عقائد کا جزء ہے۔

دوسری قسم عملی توکل جس کی حقیقت اسباب ترک کرنا ہے۔

پھر اسباب کی دو قسمیں ہیں دینی اسباب، دنیوی اسباب۔

دینی اسباب جن کا اختیار کرنے سے کوئی دینی نفع حاصل ہو ان کا ترک کرنا محمود نہیں۔ بلکہ کہیں گناہ خسران (نقصان) وحرمان ہے، اور شرعاً یہ توکل نہیں لغۃً اگر توکل کہا جائے تو یہ توکل مذموم ہے۔

اور دنیوی اسباب جس سے دنیا کا نفع حاصل ہو، اس نفع کی دو قسمیں ہیں، حلال یا حرام۔ اگر حرام ہو تو اس کے اسباب کا ترک کرنا ضروری ہے۔ اور یہ توکل فرض ہے۔

اور اگر حلال ہو اس کی تین قسمیں ہیں، یقینی، ظنی، وہمی۔

(۱) وہمی اسباب جن کو اہل حرص وطمع (لالچی لوگ) اختیار کرتے ہیں۔ جس کو طول امل کہتے ہیں ان کا ترک کرنا ضروری ہے اور یہ توکل فرض واجب ہے۔

(۲) یقینی اسباب جن پر وہ نفع عادۃً ضرور مرتب ہو جائے، جیسے کھانے کے بعد آسودگی ہو جانا، پینے کے بعد پیاس کم ہو جانا، اس کا ترک کرنا جائز نہیں، اور نہ یہ شرعاً توکل ہے اور لغۃً کہا جائے تو یہ توکل ناجائز ہے۔

(۳) ظنی اسباب جن پر غالباً (یعنی اکثر) نفع مرتب ہو جائے، مگر بارہا تخلف بھی ہو جاتا ہو (یعنی اس کے خلاف بھی ہوتا ہو) جیسے علاج کے بعد صحت ہو جانا، یا

نوکری اور مزدوری کے بعد رزق ملنا۔

ان اسباب کا ترک کرنا جس کو اہل طریقت کے عرف میں اکثر توکل کہتے ہیں اس کے حکم میں تفصیل ہے وہ یہ کہ ضعیف النفس کے لیے تو جائز نہیں، اور قوی النفس کے لیے (یعنی جس میں برداشت کی قوت اللہ پر بھروسہ ہو اس کے لیے) جائز ہے، بالخصوص جو شخص قوی النفس بھی ہو اور دین کی خدمت میں بھی مشغول ہو اس کے لیے مستحب ہے۔ (بوادر النوادر ص: ۲۶۷)

قوی النفس کی علامت

اگر کوئی کہے کہ ہمیں کیسے معلوم ہو کہ (ہم قوی النفس ہیں) یعنی ہم میں اتنی قوت پیدا ہوگئی ہے کہ ہم اسباب ترک کر کے صبر کر سکتے ہیں۔

تو بات یہ ہے کہ ایسے اسباب جمع ہو جاتے ہیں جن سے سمجھ میں آ جاتا ہے کہ ہم میں قوت پیدا ہوگئی ہے۔

اور اگر کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو شیخ کامل سے پوچھے اگر بزرگ سے اسباب چھوڑنے کی اجازت ہو جائے اگر کمی بھی ہو تو شیخ کی برکت سے قوت بڑھ جاتی ہے۔

بہر حال یہ تفصیل تھی اسباب ترک کرنے کی جس کا حاصل یہ تھا کہ جو اقویا (قوی النفس) ہوتے ہیں ان کے لیے ہمارے حضرات ترک اسباب تجویز کرتے ہیں ایسا شخص اللہ تعالیٰ کا مہمان ہوتا ہے۔

حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ نے حضرت حاجی صاحب سے نوکری چھوڑنے کی رائے لی تو حضرت فرماتے ہیں کہ پوچھنا تردد (شک) کی علامت ہے اور تردد خامی کی دلیل ہے (یعنی کچے پن کی) اور ایسی حالت میں نوکری چھوڑنا مناسب نہیں۔ (التبشیر ص: ۲۷۲)

ضروری تنبیہ

''سنت مطلقہ'' وہ ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور عبادت کے کیا ہے ورنہ سنن زوائد (یا سنن عادیہ) سے ہوگا۔

مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بال رکھنا بطور عادت کے ہے، نہ کہ بطور عبادت کے اس لیے اولیٰ ہونے میں تو شبہ نہیں مگر اس کے خلاف کو خلاف سنت نہ کہیں گے۔

سنن عادیہ مثلاً سادے کپڑے پہننا، جو کی روٹی کھانا اس جیسی سنتیں (مثلاً فاقہ کرنا) سنن عادیہ میں سے ہیں، اگر کہیں ان کی وجہ سے مقصود فوت ہونے لگتا ہے، تو ان سے منع کیا جاتا ہے، کیونکہ سنن عادیہ مقصود (ومطلوب) نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر ہم نے جَو کی روٹی کھائی اور کھا کر پیٹ میں درد ہوا تو جو ہم کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے محبت تھی وہ اس حالت میں باقی نہ رہے گی بلکہ وحشت ہوگی اور وسوسہ آئے گا کہ اچھا سنت پر عمل کیا کہ پیٹ میں درد ہوگیا (یا کمزوری ہوگئی) آج متشددین کی بدولت شریعت سے لوگوں کو نفرت ہوگئی ہے۔ غرض یہ کہ سنن عادیہ ایسے شخص کے واسطے ناجائز ہیں جس کا نتیجہ یہ ہو کہ کوئی دینی ضرر پہنچ جائے۔ (التبلیغ احکام المال ص:۱۰۲)

مفید عملیات اور وظائف

(۱) روزگار کے لیے:

روزگار کے لیے تعویذ نہیں ہوتا میں پڑھنے کے لیے بتلاتا ہوں وہ پڑھ لیا کرو، **یا باسط**، بہتر (۷۲) مرتبہ پانچوں نماز کے بعد پڑھ لیا کرو۔ (الافاضات ۲/۳۱۸)

روزگار کے لیے عشاء کی نماز کے بعد **یا وَھّاب** چودہ تسبیح اور چودہ دانے پڑھ لیا کرو، اوّل آخر گیارہ گیارہ بار درود شریف۔ (انفاس عیسیٰ ص:۵۸۴)

(۲) وسعت رزق کے لیے:

یَـا مُـغنِـی، عشاء کی نماز کے بعد گیارہ سو مرتبہ اول آخر درود شریف گیارہ بار، وسعت رزق کے لیے بہت ہی مفید ہے۔ (مقالات حکمت ص:۲۵)

ایک صاحب نے وسعت رزق کے لیے کوئی وظیفہ پوچھا فرمایا کہ پانچوں نمازوں کے بعد یا باسِط بہتر (۷۲) مرتبہ پڑھ لیا کرو۔ (انفاس عیسی ۲/۵۵۲)

(۳) زرق میں زیادتی اور برکت کے لیے

اللّٰہُ لَطِیْفٌ بِعِبَادِہٖ یَرْزُقُ مَنْ یَشَآءُ وَھُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ. (پ:۲۵)

خاصیت: رزق کی زیادتی کے لیے نماز کے بعد کثرت سے پڑھا کر (کوئی تعداد مقرر نہیں)۔ (اعمال لقرآنی ص:۳۳۶)

(۴) **وَمَـنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمْرِہٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا.** (پ:۲۸، ع:۱۷)

خاصیت: رزق کی فراخی (اور کشادگی) کے لیے، اور جس مہم میں چاہے اس کو پڑھے، انشاء اللہ تعالیٰ تنگدستی دور ہو جائے گی اور مہم آسان ہوگی۔ (اعمال قرآنی ص:۳۳۶)

(۵) **مَـالِکُ الْـمُـلْکِ** ۔ اس پر مداومت کرے (یعنی بغیر کسی تعداد کے کثرت سے پڑھے) تو تونگری (اور مالداری) حاصل ہوگی۔ (اعمال قرآنی ص:۳۳۴)

(٦) ادائے قرض کے لیے:

قُلِ اللّٰھُمَّ مَـالِکَ الْـمُـلْکِ تُـؤْتِـی الْمُلْکَ مَنْ تَشَـآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ. (پ:۳، ع:۱۱، سورۂ آل عمران)

خاصیت: ادائے قرض کے لیے سات بار صبح وشام پڑھ لیا کرے تو انشاء اللہ تعالیٰ قرض ادا ہو جائے گا۔ (اعمال قرآنی ص: ۳۳۲)

رزق تقدیر سے ملتا ہے نہ اس میں کمی ہو سکتی ہے نہ زیادتی

حق تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ اللّٰہَ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیَقۡدِرُ۔

ترجمہ: بلاشبہ تیرا رب جس کو چاہتا ہے زیادہ رزق دیتا ہے اور وہی جس پر چاہے تنگی کر دیتا ہے۔

جو قسمت میں ہوتا ہے وہ ضرور مل کر رہتا ہے، اگر خوشی سے نہ لو تو زبردستی ملتا ہے، رزق تو وہ چیز ہے کہ دھکے دو جب بھی ملتا ہے۔

رزق تقسیم شدہ ہے اور ان کا وقت مقرر ہو چکا ہے، اس وقت سے پہلے اور تقسیم سے زیادہ باوجود کوشش کے حاصل نہیں ہو سکتا، رزق بٹی ہوئی شئ ہے نہ وقت سے پہلے مل سکتا ہے نہ کوشش سے زیادہ مل سکتا ہے، بہت سے عقلمند (اور پڑھے لکھے لوگ) تنگ دست ہوتے ہیں، اور بہت سے بے وقوف مالدار ہوتے ہیں، حق تعالیٰ نادان کو اس طرح روزی پہنچاتے ہیں کہ عقلمند لوگ اس میں حیران رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ہر شخص سے جدا معاملہ ہے، کسی کو اسباب سے ملتا ہے اور کسی کو بغیر اسباب کے، رزق کی طلب میں گناہوں میں منہمک ہو جانا یہ ایمان کی کمزوری ہے کیونکہ اول تو اس سے زیادہ ملتا نہیں اور دوسرے جتنا ملتا ہے وہ سب کام بھی تو نہیں آتا۔ ممکن ہے کہ تم کو بیماری لگ جائے جس میں سب چیزوں کا پرہیز بتلا دیا جائے، تو اس صورت میں مال تمہارے کس کام آئے گا، نوکر چاکر، کباب وغیرہ کھاتے ہیں میاں کو حکیم صاحب کبھی فتویٰ ہی نہیں دیتے کہ مونگ کی دال کے سوا کچھ اور کھائیں، رزق لے لو، سونا لے لو، چاندی لے لو، جب مر جاؤ گے تو مال کی زیارت بھی نہ ہوگی، اور ابھی

زیارت تو ہو جاتی ہے گو وصال نہیں ہوتا (یعنی فائدہ نہیں اٹھا سکتے) اور یہ مشاہدہ سے ثابت ہے۔ پس تمہارا مال تمہارے کس کام آیا۔ لیکن آدمی ان باتوں کو غور نہیں کرتا۔

(شعبان ملحقہ حقیقت عبادت ص:۴۹۰)

مقدر کی روزی تو مل ہی کر رہتی ہے

رزق تو وہ چیز ہے کہ اگر نہ بھی مانگو تو بھی اللہ تعالیٰ خود دیتے ہیں، بلکہ اگر یہ بھی کہو کہ اے اللہ مجھ کو روٹی نہ دینا تب بھی یہ دعا قبول نہیں ہوتی، اور اللہ تعالیٰ رزق دیتے ہیں بلکہ ایسی دعا مانگنا گناہ ہے، جو کچھ قسمت میں ہے وہ ضرور مل کر رہے گا، اگر خوشی سے نہ لو تو زبردستی دیا جائے گا، تو حق تعالیٰ جب روکنے سے بھی نہیں رکتے تو کیا اطاعت وفرمانبرداری پر روزی نہ دیں گے، خاص طور سے جب کہ وہ خود فرمائیں کہ ہم سے روزی طلب کرو۔

دیکھو، جب حاکم کوئی مضمون بتلائے کہ یہ مسودہ صاف کر کے ہم کو پیش کرنا (یعنی اس طرح کی درخواست لکھ کر میرے پاس لانا) اگر قبول نہ کرنا ہوتا تو کیوں ایسا کہتا، اسی طرح رزق کا طلب کرنا تو اللہ تعالیٰ ہی کا بتلایا ہوا ہے، اگر ان کو روزی دینا منظور نہ ہوتا تو ایسا حکم کیوں دیتے چنانچہ شب برأت کے موقع پر استغفار کی طلب کے ساتھ رزق طلب کرنے کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ حق تعالیٰ اس رات (یعنی شب برأت) میں آسمان دنیا کی طرف توجہ فرماتے ہیں (اور اعلان ہوتا ہے کہ) ہے کوئی روزی مانگنے والا کہ میں اس کو رزق دوں۔ (وعظ شعبان، ملحقہ حقیقت عبادت)

ایک حکایت

میں نے مولانا فتح محمد صاحب مرحوم سے جو میری ابتدائی کتابوں کے استاد تھے

ان سے سنا ہے کہ ایک شخص نے ضد کرلی کہ کھانا نہ کھاؤں گا دیکھوں کیسے زبردستی کھانا پڑے گا، چنانچہ اس نے گھر چھوڑ دیا اور جنگل چلا گیا، اور کئی روز تک کھانا نہیں کھایا۔ اگرچہ اس نے یہ حماقت کی اور اگر ایسی حالت میں اس کو رزق نہ ملتا تو اس کی وجہ یہ ہوتی کہ اس کی قسمت میں رزق نہیں رہا تھا، مگر اللہ تعالیٰ سب کی مرادیں پوری کرتے ہیں، یہ شخص جا رہا تھا ایک قبر راستہ میں پڑی، جس پر سولہ لڈو رکھے ہوئے تھے، نفس کی سرکشی کے احتمال سے وہاں سے بھاگا کہ ایسا نہ ہو کہ نفس اس طرف متوجہ ہو جائے اور میرا عہد ٹوٹ جائے، اتفاق سے ڈاکوؤں کی جماعت جو تعداد میں سولہ تھی چھپی ہوئی آرہی تھی وہ اتفاق سے ادھر ہی کو گذرے، دیکھا کہ ایک شخص بھاگا ہوا جارہا ہے، ڈاکو سمجھے کہ اس کے پاس روپئے ہوں گے اس لیے بھاگ رہا ہے، رکھے ہوئے لڈو سولہ تھے، اور ڈاکو بھی سولہ تھے، یہ سمجھے کہ اس لڈو میں اس نے زہر ملایا ہے، انہوں نے مشورہ کیا کہ یہ سب لڈو اسی کو کھلاؤ اور اس کو لوٹ لو، یہ شخص وہاں سے دوڑا مگر کئی روز کا بھوکا تھا ان لوگوں نے پکڑ لیا، اور اس کو گرا کر تمام لڈو چمٹے سے منہ کھول کر اس کے پیٹ میں اتارے اس نے توبہ کی۔ واقعی جو قسمت میں ہوتا ہے ضرور پہنچتا ہے اگر خوشی سے نہ لو تو زبردستی پہنچتا ہے۔ (شعبان ملحقہ حقیقت عبادت ص: ۴۸۴)

توحید میں غلو

ایک بار قحط پڑا، ایک شخص کے گھر میں جس کو توحید میں غلو ہو گیا تھا، ایک گائے تھی وہ دودھ دیا کرتی تھی۔ ایک دن کسی دوست نے پوچھا کہ اس قحط کے زمانے میں کیسے بسر ہوتی ہے، اس شخص کی عورت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک گائے دے رکھی ہے، اس کے دودھ سے آرام رہتا ہے، (اور بسر ہو جاتی ہے) میاں صاحب غصہ ہو گئے اور کہا کہ گائے تیری خدا ہے؟ جو رزق کو اس کی طرف منسوب کرتی ہے؟ اور فوراً

چھری لے کر گائے کو ذبح کر دیا کہ گائے کی طرف رزق کی نسبت کیوں کر دی۔ (جیسے آج کل لوگ رزق کی نسبت دوکان وغیرہ کی طرف کر دیا کرتے ہیں) حالانکہ رزّاق اللہ تعالیٰ ہیں، مگر یہ غلو ہے، اس لیے کہ اسباب کی طرف اس طرح نسبت تو خود حق تعالیٰ نے فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے:

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَاءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ۔

آسمان سے پانی اتارا پھر اس پانی سے تمہارے کھانے کے لیے پھل نکالے، دیکھو اس میں پانی اتارنے کی نسبت آسمان کی طرف ہے۔

یہ توحید میں غلو ہے جس کی مذمت آئی ہے۔ (الکلمۃ الحق ص: ۱۶۳)

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض لوگ وعظ تقریر میں کہا کرتے ہیں کہ روزی پہنچانے کا خدا نے وعدہ کیا ہے، لیکن مسلمانوں کو اللہ پر بھروسہ نہیں اور گھبراتے ہیں۔ اس کی وجہ سے وہ ضعف ایمان کا حکم لگاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اگر کوئی مخلوق دعوت کر دے تو اس پر تو پورا بھروسہ ہوتا ہے اور اس وقت کے رزق سے بے فکری ہو جاتی ہے۔ اور حق تعالیٰ کے وعدے پر بھروسہ نہیں سو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ یہ ایمان کی کمزوری نہیں بلکہ طبیعت کی کمزوری ہے، کوئی مسلمان ایسا نہیں جس کو خدا پر بھروسہ نہ ہو، اور یہ جو مثال بیان کی جاتی ہے وہ بالکل غلط ہے اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ کا قیاس مخلوق کے وعدہ پر صحیح نہیں، کیونکہ جو شخص وعدہ کرتا ہے وہ یہ بتلا دیتا ہے کہ فلاں وقت کی دعوت ہے جس سے پورے طور پر یہ حال معلوم ہو جاتا ہے، کہ ہمارے کھانے کا اس وقت پورا انتظام ہو گیا ہے۔ اور اگر ایسا ہی تفصیلی وعدہ اللہ تعالیٰ کا ہوتا تو مسلمان کو مخلوق سے زیادہ اللہ پر اعتماد ہوتا۔ مگر خداوند تعالیٰ کا یہ وعدہ نہیں ہے کہ دونوں وقت دیں گے، پاؤ بھر دیں گے، ناغہ

نہ کریں گے بلکہ مبہم وعدہ ہے کہ روزی دیں گے، اس کی کیفیت (کہ کیسے دیں گے) اور کمیت (کہ کتنا دیں گے) نہیں بتلائی گئی۔ ممکن ہے کہ تیسرے روز ملے۔

اور اس شخص کا وعدہ اس طرح کا ہے کہ اس نے شام کا وقت بتلا دیا ہے تو یہ ایمان کی کمزوری کی وجہ سے تردد نہیں بلکہ اس کی کیفیت اور مقدار نہ معلوم ہونے کی وجہ سے تردد ہے۔ جس کی وجہ طبعی کمزوری ہے۔ اگر دعوت کرنے والے کا بھی ایسا وعدہ ہو تو اس سے زیادہ تردد ہو جائے۔

البتہ اگر یہ وعدہ ہوتا کہ دونوں وقت پکی پکائی مل جایا کرے گی اور پھر بھی تردد ہوتا تب بے شک ایمان کی کمزوری سمجھی جاتی .... ہاں ایک ایمان کی کمزوری اور ہے اور وہ یہ کہ معصیت سے رزق ملے گا اور نیکی سے نہ ملے گا۔

باقی طبعی طور پر اللہ کے بہت سے بندے بھی تنگی میں پریشان ہو جاتے ہیں اور بعض کافر تنگی کے باوجود بالکل مستقل مزاج بے فکر ہوتے ہیں ان پر اثر بھی نہیں ہوتا سو یہ طبعی ضعف اور طبعی قوت ہے نہ کہ ایمانی ضعف اور ایمانی قوت۔

چنانچہ ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ اللہ کے ایک مقبول بندے کی حکایت بیان فرماتے تھے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے اللہ! میری قسمت کا جتنا رزق ہو سب ایک ساتھ مرحمت فرما دیجئے، ارشاد ہوا کہ کیا ہمارے وعدہ پر بھروسہ نہیں ہے؟ عرض کیا کہ بھروسہ کیوں نہیں مگر شیطان بہکاتا ہے ''**الشیطان یعدکم الفقر**'' شیطان تم سے تنگی ومحتاجی کا وعدہ کرتا ہے، کہ صبح کو میرے بال بچے کیا کھائیں گے اور آپ کے خزانہ پر حوالہ کرنے سے شیطان وسوسہ ڈالتا ہے کہ یہ خبر نہیں کہ کب ملے گا سو اگر مجھے اپنی قسمت کا کل رزق مل جائے تو میرے خرچ میں اتنا ہی آئے گا جتنا تقدیر میں لکھا ہے۔ مگر اس کو کوٹھری میں رکھ لوں گا۔ اور شیطان جب بہکائے گا کہ کہاں سے کھاؤ گے تو میں کہہ دوں گا کوٹھری میں موجود ہے، پھر کیا فکر ہے۔

بعض اولیاء اللہ نے اسباب معیشت اختیار فرمائے ہیں اس لے کہ وہ کمزور طبیعت کے تھے، ایمان کا قوی ہونا اور چیز ہے اور طبیعت کا قوی ہونا اور چیز ہے۔

(شعبان ملحقہ حقیقت عبادت ص: ۴۸۷)

رزق کے باب میں جس قدر طبیعت ضعیف ہوگی تردد اور احتمالات بہت ہوں گے، اور یہ ایمان کمزور ہونے کی دلیل نہیں، ہاں ایمان کمزور ہونے کی یہ دلیل ہے کہ رزق حاصل کرنے میں اس طرح منہمک ہو کہ حلال وحرام کی پرواہ نہ کرے۔

(شعبان ملحقہ حقیقت عبادت ص: ۴۸۹)

باب (۴)

مال کمانے کا بیان

مال کمانے کی ترغیب اور بیکار رہنے کی مذمت

(۱) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال کمائی تلاش کرنا فرض ہے، فرض عبادت کے بعد۔ (بیہقی)

(۲) ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایسے شخص سے نفرت رکھتا ہوں جو محض بیکار رہو، نہ کسی دنیا کے کام میں ہو اور نہ آخرت کے کام میں ہو۔

(مقاصد حسنہ از سعید بن منصور واحمد وبیہقی وابن ابی شیبہ)

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے متعلق کوئی دینی کام نہ ہو اس کو چاہئے کہ معاش کے کسی جائز کام میں لگے بیکار عمر نہ گذارے۔

بعض صورتوں میں مال کمانا یا جمع کرنا بہتر بلکہ ضروری ہے جیسے بیوی بچوں کا ساتھ ہے اور ان کے کھانے پینے یا ان کو دین سکھلانے میں روپیہ کی حاجت ہے یا دین کی حفاظت میں روپیہ کی ضرورت ہے، جیسے علم دین کے مدرسے یا اسلام کی تبلیغ کی انجمنیں یا اسلامی یتیم خانے یا مسجدیں ہیں خاص طور پر جب دین کے دشمن ان چیزوں کے مٹانے کے لیے روپیہ خرچ کرتے ہوں، اور حالات ایسے ہوں کہ روپیہ کا مقابلہ روپیہ ہی سے ہوسکتا ہے .... بس ایسی حالتوں میں کفایت کی بقدر روپیہ حاصل کرنا (یعنی کمانا) عبادت ہوگا۔ (حیات المسلمین روح نوزدہم ص:۱۸۱)

مفت خوری وترک اسباب

مفت خوری سے بہتر ہے کہ بلند ہمتی سے کمائے اور دوسروں کی خدمت کرے، حلال طریقہ سے کمانے میں شرم نہ کرے، گو عرف میں دھرا رہ جائے (یعنی بدنامی معلوم ہوتی ہو)۔

البتہ جو لوگ دین کی خدمت میں مشغول ہیں وہ اگر معیشت کے طریقے اختیار کریں گے تو دینی کام برباد ہوجائے گا، ایسے لوگوں کے لیے اسباب ترک کرنا جائز بلکہ بعض اوقات اولیٰ ہے اور ان کی خدمت عام مسلمانوں کے ذمہ ضروری ہے۔

(تعلیم الدین ص: ۳۸)

کام کرنے والے علماء کو معاش میں مشغول ہونے کی اجازت نہیں

اس آیت (لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا، الآیۃ) سے معلوم ہوا کہ ایسی جماعت کو ذرائع تحصیل معاش میں بالکل مشغول نہ ہونا چاہئے، لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ اس پر دلالت کر رہا ہے، اور اس سے یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ علماء دنیوی معاش میں اپاہج ہیں اور ثابت ہوگیا کہ بایں معنی اپاہج ہونا ضروری ہے۔ اور راز اس میں یہ ہے کہ ایک شخص سے دو کام ہوا نہیں کرتے خصوصاً جبکہ ایک کام ایسا ہو کہ ہر وقت اس میں مشغول ہونے کی ضرورت ہو۔ بالید یا باللسان یا بالقلب اور دین کی خدمت ایسا ہی کام ہے اور تدریس علوم دینیہ ذرائع معاش میں داخل نہیں۔ (حقوق العلم ص: ۱۵)

جب خدا تعالیٰ فرماتے ہیں لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ کہ ان میں طاقت ہی نہیں کہ دوسرے کام کریں، طاقت سے مراد شرعی طاقت (یعنی یہ) کہ ان کو اجازت نہیں کہ یہ دوسرے کام میں لگیں، اس مسئلہ کو میں ایک مثال دے کر واضح کرتا

ہوں۔ ہمارے اطراف میں ایک صاحب نے جو سرکاری ملازم تھے ایک مطبع کرلیا شدہ شدہ حکّام کو اس کی خبر ہوئی تو ان کے نام ایک پروانہ آیا کہ یا تو نوکری سے استعفاء دیدو، ورنہ مطبع بند کردو۔ آخر اس حکم کی کیا وجہ ہے، وجہ یہی ہے کہ مطبع کرنے کی صورت میں وہ نوکری کا کام پورے طور پر انجام نہیں دے سکتے تھے۔

(دعوات عبدیت فضائل علم ۷/۴۰)

ضرورت کے وقت اہل علم کے لیے معاش کی آسان صورتیں

صنعت وحرفت یعنی دستکاری و پیشہ سے معاش حاصل کرنے میں بہت آسانی و سلامتی ہے، عربی تکمیل کرنے والوں کے لیے چند صورتیں معاش کی مناسب ہیں۔

(۱) اسکول میں نوکری کرلینا (۲) مطب کرنا (۳) مفید رسالے یا حواشی تصنیف کرکے یا درسی کتابیں چھپوا کر ان کی تجارت کرنا (۴) کاپی نویسی کرنا (۵) کسی مطبع میں تصحیح کی نوکری کرنا۔

اور سب صورتوں میں فارغ اوقات میں مطالعہ وتدریس کا شغل رکھنا، یا کسی اسلامی مدرسہ میں مدرسی کرنا۔ (تجدید تعلیم وتبلیغ ص:۱۱۱)

دنیا کی حقیقت

دنیا کہتے ہیں خدا سے غافل ہونے کو نہ کہ مال ودولت اور بیوی بچوں کو۔ دنیا کا اطلاق دو معنی پر آتا ہے ایک تو دین کے مقابلہ میں دنیا بولی جاتی ہے، جس کے معنی بے دینی کے ہوتے ہیں، اور ایک آخرت کے مقابلہ میں بولی جاتی ہے جس کے معنی حیات دنیا (یعنی دنیاوی زندگی) کے ہوتے ہیں اور قرآن وحدیث میں دنیا کا استعمال دونوں معنی میں آتا ہے۔

جو دنیا آخرت کے مقابلہ میں ہے اس کی دو قسمیں ہیں، مذموم (بُری) یعنی لہو

لعب، غیر مذموم (جو بری نہ ہو) یعنی دنیاوی ساز وسامان ومال۔ پس وہ ہر حال میں مذموم نہیں بلکہ مذموم وہ ہے جو دین کے مقابلہ میں ہو، جیسے ''**حب الدنیا راس کل خطیئة**'' کہ دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔ یہاں دنیا دین کے مقابلہ میں ہے، اور مطلب یہ ہے کہ بے دینی کی باتوں سے محبت نہیں کرنا چاہئے، یہ مطلب نہیں کہ بیوی بچوں سے محبت نہ کرے، کیونکہ یہ بے دینی کی چیزیں نہیں ہیں۔

(ضرورت تبلیغ ص:۲۹۲)

دنیا کی حقیقت اور دنیا کے مذموم ومحمود ہونے کا معیار

وما هذه الحيوة الدنيا الا لهو ولعب (اور نہیں ہے دنیا مگر لہو لعب)

یہاں حق تعالیٰ نے دنیا کے لیے دو لفظ اختیار کئے ہیں ایک لہو اور ایک لعب اور دونوں کے مفہوم میں کچھ فرق ہے وہ یہ کہ لہو کہتے ہیں شغل کو اور لعب کہتے ہیں عبث (بے فائدہ عمل کو) اس سے معلوم ہوا کہ دنیا ایسی چیز ہے کہ اس میں دو صفتیں ہیں ایک تو لہو ہونے کی کہ یہ لوگوں کو اپنی طرف لبھاتی اور مشغول کرتی ہے۔ دوسرے لعب یعنی عبث ہونے کی کہ اس میں مشغول ہونا عبث یعنی بے نتیجہ (بے فائدہ) ہے۔ اس پر کوئی لائق اعتبار ثمرہ مرتب نہیں ہوتا، جیسے بچوں کا کھیل کہ اس پر بھی کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہوتا۔

اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ دنیا مطلقاً مذموم نہیں بلکہ دنیا وہ مذموم ہے جس میں محض لہو ولعب ہو یعنی جو بے نتیجہ ہو، اور اس کا کوئی مفید ثمرہ نہ ہو، اور جس پر ثمرہ مرتب ہو وہ حقیقت میں دنیا ہی نہیں، دنیا اسے نہیں کہتے کہ روپیہ پیسہ وغیرہ۔ بلکہ دنیا تو درحقیقت لہو ولعب کا نام ہے، جہاں یہ نہ ہو دنیا بھی نہ ہوگی۔ اور جہاں یہ ہو وہاں دنیا ہوگی گو ظاہری سامان کچھ نہ ہو۔

(ضرورت تبلیغ ملحقہ دعوت وتبلیغ ص:۲۹۰-۲۹۲)

دنیا کمانا دین کے منافی نہیں اور دین اس میں رکاوٹ نہیں

عام طور پر یہ سمجھ لیا گیا کہ دیندار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تجارت کاشتکاری وغیرہ سب کو بالائے طاق رکھ دے اور ان کاموں میں مشغول ہوکر دیندار بننا مشکل ہے کیونکہ دین ان کاموں میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے، سو خوب سمجھ لیجئے کہ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ دین ہرگز دنیا کی فلاح اور ترقی کے لیے مانع اور رکاوٹ نہیں ہے، اور دیندار بن کر بھی تجارت وزراعت ہوسکتی ہے مگر اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ ذریعۂ معاش دین کے خلاف نہ ہو تب تو وہ دنیا نہیں ہے، بلکہ عین دین ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ کسب الحلال فریضة (حلال روزی کمانا فرض ہے) اس صورت میں تجارت وزراعت بھی باعث ثواب ہے بلکہ ان کاموں میں مشغول ہوکر دین کی پابندی کرنا یہ ذکر وشغل سے افضل ہے۔

(غور کرنے کی بات ہے کہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم (حلال کمانے کو) فرض شرعی فرماتے ہیں جس کے ترک پر آخرت کا عذاب ہوگا۔ الغرض بقدر ضرورت دنیا کمانا ممنوع نہیں البتہ اس کی محبت اور دل میں اس کی وقعت ممنوع ہے۔

(سبیل النجاح، ملحقہ دین ودنیا ص:٦٠٩)

حُبّ دنیا اور کسبِ دنیا کا فرق

حدیث میں ہے کَسْبُ الْحَلَالِ فَرِیْضَةٌ (یعنی حلال روزی کمانا فرض ہے) پس حلال روزی کمانا تو فرض ہے، اس سے کوئی نہیں منع کرتا، ہاں دنیا کی محبت سے منع کیا جاتا ہے، جس کے بارے میں ارشاد ہے ”حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَةٍ“ دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

ایک تو ہے کسب دنیا (یعنی دنیا کمانا) اور ایک ہے حبِ دنیا (یعنی دنیا کی محبت) کسب دنیا تو جائز ہے اور بعض صورتوں میں واجب اور فرض بھی ہے، اور حب دنیا حرام ہے ایک دوسرے کو لازم نہیں۔

دنیا کمانے کے لیے نہ دنیا کی محبت لازم اور نہ دنیا کی محبت کے لیے دنیا کمانا لازم۔ کیونکہ دنیا کمانا اس وقت بھی ممکن ہے کہ معاش حاصل کرے مگر اس کے ساتھ شغف نہ ہو، اسی طرح دنیا کی محبت اس صورت میں بھی ہوسکتی ہے کہ کمائے بھی نہیں مگر اس کے ساتھ شغف ہو، مثلاً کوئی شخص دنیا نہ کماتا ہو مگر دین سے غافل بھی ہو تو اس کو دنیا کی محبت حاصل اور دنیا کی کمائی حاصل نہیں۔ کیونکہ دین سے غفلت ہونا یہی حب دنیا ہے اور بعض جگہ دونوں جمع ہو جاتی ہیں، یعنی کسب دنیا بھی اور حبّ دنیا بھی مثلاً ایک شخص دنیا بھی کماتا ہے اور دین سے بھی غافل ہے۔

اور بعض جگہ دونوں نہیں ہوتیں نہ کسب دنیا نہ حبّ دنیا، مثلاً کوئی شخص دنیا نہیں کماتا اور دین سے غافل نہیں، غرض حب دنیا اور کسب دنیا ایک دوسرے کو لازم نہیں، بعض لوگ محبت کرنے والے ہیں کمانے والے نہیں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی کمانے والا ہو اور محبت کرنے والا نہ ہو، سو ہم حبّ دنیا سے منع کرتے ہیں باقی کسب دنیا تو خاص قیود کے ساتھ ضروری ہے۔ (خیر الامال للرجال التبلیغ ٦٤/٢)

حضرات انبیاء علیہم السلام سے دنیوی کاروبار صنعت (حرفت) کھانا پینا نکاح وغیرہ سب ہی کچھ ثابت ہے۔ غرض دنیوی کاروبار دین کے منافی نہیں، بشرطیکہ وہ شریعت کے دائرہ میں ہو۔ (سیرت الصوفی ملحقہ حقیقت تصوف وتقویٰ ص:٦٠٦)

مال کمانے کا شرعی حکم

آپ یہ سن کر تعجب کریں گے کہ شرعی فتویٰ سے تجارت کرنا فرض کفایہ ہے، اسی

طرح زراعت (کاشتکاری کرنا) بھی فرض کفایہ ہے کیونکہ زندگی گذارنا ان چیزوں پر موقوف ہے اور ضروریات معاش کا حاصل کرنا فرضِ کفایہ ہے۔ اور فرض کفایہ وہ ہے کہ بعض لوگوں کے کر لینے سے بقیہ لوگوں کے ذمہ سے فرض ساقط ہو جاتا ہے، اس لیے یہ خیال بالکل غلط ہے کہ علماء دنیا کمانے سے منع کرتے ہیں بھلا فرض کفایہ سے کون منع کر سکتا ہے۔

پس دنیا کی محبت ہونا تو کسی کے لیے جائز نہیں باقی دنیا کمانے میں کسی قدر تفصیل ہے، یعنی ایک تو وہ شخص ہے جس کو دنیا کمانا ضروری ہے اور بعض لوگ وہ ہیں جن کے لیے دنیا کمانا ضروری نہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس شخص کو نہ کمانے کی حالت میں پریشانی ہو تو پریشانی کی حالت میں دنیا کمانا ضروری ہے، اس کو چاہئے کہ کسب دنیا کرے، اور ایک وہ لوگ ہیں کہ ان کے دنیا میں مشغول نہ ہونے سے کسی کا نقصان نہیں نہ ان کا نہ ان کے اہل و عیال کا۔ سو یہ لوگ اگر دنیا نہ کمائیں، تو کچھ حرج نہیں۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ اگر وہ دنیا میں مشغول ہوں تو دین کی خدمت نہ کر سکیں ان کے لیے دنیا کمانا مناسب نہیں، بشرطیکہ نہ کمانے سے پریشانی میں نہ پڑیں۔ (وعظ خیر المال للرجال التبلیغ ۲/۲۶)

رزقِ حلال کی کوشش کرنا ذکر و شغل سے بھی افضل ہے

دنیا کے کاموں میں مشغول ہو کر دین کی پابندی کرنا یہ ذکر و شغل سے بھی افضل ہے، چنانچہ ایک بزرگ کا انتقال ہوا جو بہت بڑے زاہد اور صوفی تھے، انتقال کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا کہ حضرت آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟

فرمایا مجھے بخش دیا گیا مگر بھائی ہمارے پڑوس میں جو ایک مزدور بال بچوں والا رہتا تھا وہ ہم سے افضل رہا (یعنی آگے بڑھ گیا) کیونکہ وہ رات دن اپنے بال بچوں

کے لیے محنت مزدوری کرتا اور ذکر و شغل کم کرتا تھا، مگر ہر وقت اس کی تمنا یہ تھی کہ فرصت ملے تو میری طرح ذکر میں مشغول ہو۔

حق تعالیٰ نے اس نیت کی برکت سے اس کو وہ درجہ عطا کیا جو مجھے بھی نصیب نہیں ہوا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حلال کمائی کے ساتھ احکام الٰہیہ کی پابندی کرنا ذکر و شغل سے بعض دفعہ افضل ہو جاتا ہے، مگر اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ سب کے لیے یہی طریقہ افضل ہے۔ اور بس ہر شخص اسی طریقہ کو اختیار کر لے، اصل بات یہ ہے کہ (لوگوں کے حالات) مصلحتیں مختلف ہوتی ہیں، کسی کے لیے ایک طریقہ میں مصلحت ہے اور کسی کے لیے مفسدہ ہے۔

حق تعالیٰ نے ہر ایک کے لیے ایک خاص طریقہ مقرر کیا ہے کہ اس کو اسی سے ترقی اور وصول ہوتا ہے۔ کسی کو اشتغال بالکسب (یعنی دنیاوی کاموں میں لگے رہنے) سے یہ دولت ملتی ہے اور کسی کو ترک اسباب سے۔

پس جس کے لیے جو طریقہ حق تعالیٰ تجویز کر دیں (یعنی اس کے لیے جیسے حالات پیدا کر دیں) وہ اسی کو اختیار کرے اور اس پر راضی رہے، اس میں اپنی رائے کو دخل نہ دینا چاہئے (بلکہ اللہ کی تقدیر پر راضی رہنا چاہئے) اگر وہ بے فکری دیں تو بے فکر رہو، اور اگر فکروں میں رکھیں تو اسی میں خوش رہو، کیونکہ فکر و تشویش (دنیاوی پریشانیوں) سے بھی ترقی ہوتی ہے اور ثواب بڑھتا ہے۔ طلب اسی کا نام ہے، اور اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ بعض لوگ اپنے لیے ایک خاص حالت تجویز کر لیتے ہیں کہ ہم اس حال میں رہیں تو اچھا ہے پھر جب اس کے خلاف دوسری حالت ہوتی ہے تو گھبرا جاتے ہیں۔

الغرض اگر کوئی شخص تجارت کا شتکاری اس طرح کرے کہ وہ دین کے موافق ہو اور کوئی بات شریعت کے خلاف نہ ہو، تو یہ عین ثواب ہے، اور اس حالت میں یہ دنیا نہیں بلکہ عین دین ہے، ہاں اگر کوئی بات دین کے خلاف ہو تو البتہ یہ دنیا ہے، جو دین کو مضر ہے پس یہ خیال غلط ہے کہ دین کے ساتھ دنیا کے کام نہیں ہو سکتے، اور دین کے ساتھ دنیاداری حاصل نہیں ہو سکتی۔ (سبیل النجاح ملحقہ دین و دنیا ص: ۶۰۹)

مال کی آمدنی کے متعلق بے احتیاطی اور اس کا وبال

لوگوں نے مال کی آمدنی کے بارے میں بڑی بے احتیاطیاں کر رکھی ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ بس شریعت کا تعلق صرف نماز روزہ سے ہے، حالانکہ شریعت کا معاملات اور مال سے بھی پورا تعلق ہے۔ قیامت کے روز ایک دانگ (تین پیسہ) کے بدلہ میں سات سو مقبول نمازیں لی جائیں گی۔ پھر حضرت اگر ایسا ہوا تو بتلایئے ہمارے پاس کیا بچے گا۔ خدا کے لیے معاملات کو درست کرو، ناجائز آمدنی کو چھوڑو۔ رشوت بھی حقوق العباد میں سے ہے، سود بھی حق العبد ہے ان سب سے احتیاط رکھو، حقوق الٰہی کا بھی خیال رکھو۔

(التبلیغ احکام المال ۱۵/۹۵)

باب (۵)

مختلف پیشوں کا بیان

سب سے بہتر ذریعہ معاش کون سا ہے

سب سے بہتر کمائی دستکاری ہے، انبیاء علیہم السلام نے دستکاری (ہاتھ کی کمائی) کی ہے۔ (تعلیم الدین ص:۲۸)

حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ کون سی کمائی سب سے زیادہ پاک ہے؟ آپ نے فرمایا دستکاری، اور وہ تجارت جو دھوکہ فریب سے خالی ہو۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ سب کمائیوں میں بہتر دو چیزیں ہیں، دستکاری اور تجارت یعنی غریبوں کے لیے دستکاری اور مالداروں کے لیے تجارت۔

(فروع الایمان ص:۳۷)

دستکاری کی اہمیت وفضیلت

مقدام بن معدی کرب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص نے کھانا اس سے اچھا نہیں کھایا کہ اپنی دستکاری سے کھائے، اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر داؤد علیہ السلام اپنی دستکاری سے کھاتے تھے۔ (بخاری)

اور وہ دستکاری زرہ بنانا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے۔

فائدہ: اس سے حلال دستکاری کی فضیلت معلوم ہوئی، البتہ حرام دستکاری گناہ کی چیز ہے، جیسے جاندار کا فوٹو لینا یا تصویر بنانا یا باجے بنانا۔ (حیات المسلمین ص:۱۸۳)

حق تعالیٰ نے بعض انبیاء علیہم السلام کو علوم ذرائع کسب (یعنی معاش کے علوم) بھی عطا فرمائے تھے، جیسے داؤد علیہ السلام کو زرہ بنانا سکھلایا اور ان کے ہاتھوں میں لوہے کو موم بنا دیا، اور بھی اس قسم کے کمائی کے طریقے انبیاء علیہم السلام کو عطا فرمائے گئے تھے، چنانچہ زکریا علیہ السلام نجار (بڑھئی) تھے۔

(وعظ علو العباد ملحقہ حقوق و فرائض ۴/۱۶۵)

تجارت کی فضیلت

حضرت ابو سعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچ بولنے والا امانت دار تاجر قیامت میں پیغمبروں اور اولیاء اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ (ترمذی، دارمی، دار قطنی)

فائدہ: اس حدیث میں حلال تجارت کی فضیلت ہے۔ (حیوۃ المسلمین ص:۱۸۳)

کاشتکاری اور باغبانی کی فضیلت

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ایسا مسلمان نہیں کہ کوئی درخت لگائے یا کچھ کھیتی کرے پھر اس سے کوئی آدمی یا کوئی پرندہ یا کوئی جانور کھا جائے مگر اس شخص کے لیے وہ خیرات (صدقہ) کے قائم مقام ہوتا ہے یعنی اس میں (صدقہ) و خیرات کا ثواب ملتا ہے۔

فائدہ: اس سے کھیتی کرنے کی اور اسی طرح درخت یا باغ لگانے کی کیسی فضیلت ثابت ہوتی ہے یہ بھی آمدنی کا ایک پسندیدہ ذریعہ ہے۔

(حیوٰۃ المسلمین ص:۱۳۵)

کسانوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ صبح سے کھیتی کے کام میں مشغول رہے دوپہر کو گھر سے کھانا پہنچ گیا اس کو کھا کر تھوڑی دیر آرام کیا پھر کام میں مشغول ہو گئے، رات کو تھکے ماندے آئے نماز پڑھی اور سو گئے۔ ساری خرافاتوں سے بچے، ان میں تکبر بڑائی نہیں ہوتی، اور ان ساری خرافاتوں سے بچے رہتے ہیں جو شہروں میں ہوتی رہتی ہیں مگر ستم یہ ہے کہ لوگ ایسے لوگوں کو آج کل دیوانوں میں شمار کرتے ہیں اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں تعجب ہے۔ (الاطمینان بالدینا ملحقہ دنیا وآخرت ص:۱۶۸)

مزدوری کی اہمیت وفضیلت

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں، صحابہ نے عرض کیا اور آپ نے بھی چرائی ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں میں اہل مکہ کی بکریاں کچھ قیراطوں (فی بکری پونے تین روپئے) پر چرایا کرتا تھا۔ (بخاری، حیوٰۃ المسلمین ص:۱۸۴)

فائدہ: اس سے ایسی مزدوری کی فضیلت معلوم ہوئی جس میں کئی شخصوں کا کام کیا جائے۔ (الافاضات الیومیہ ص:۱۹۲)

(۲) عتبہ بن الندر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کو آٹھ یا دس برس کے لیے نوکر رکھ دیا تھا (شعیب علیہ السلام کی بکریاں چرانے پر)۔ (احمد وابن ماجہ، حیوٰۃ المسلمین ص:۱۸۳)

ملازمت ونوکری

نوکری ایک قسم کی تجارت ہے تجارت میں کبھی اعیان (یعنی سامان) کا تبادلہ اعیان سے ہوتا ہے، اور کبھی اعیان کا تبادلہ منافع سے ہوتا ہے۔ اور جسمانی منافع زیادہ

اہم ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ نوکر نے اپنی جان پیش کی جو اس مال سے کہیں افضل ہے، کیونکہ جسمانی منافع کو پیش کرنا زیادہ ایثار ہے پس تجارت میں اجارۃ (یعنی ملازمت و نوکری کرنا) زیادہ افضل ہے پھر اس کو حقیر سمجھنے کی کیا وجہ ہے۔

(حسن العزیز ۳/۱۵۹)

غریب آدمی کے لیے معاش کی سب سے اچھی صورت یہ ہے کہ نوکری کرے، جو خاصیت ہندوؤں کے حرام سود میں ہے وہی ملازمت میں ہے کہ اٹھتے بیٹھتے تنخواہ چڑھتی رہتی ہے۔ اگر ملازمت مل جائے تو اس کی بہت ہی قدر کرنا چاہئے۔

جن کی آمدنی خالص حرام کی ہو، ان کی نوکری کرنا جائز نہیں

جن کی آمدنی خالص حرام ہے جیسے کسبی (یعنی زانیہ رنڈی) یا شراب بیچنے والا یا سودخور، ان کی نوکری کرنا جائز نہیں، اور اس میں سے جو تنخواہ ملتی ہو، وہ حلال نہیں، اور اسی طرح اپنی چیز اس کے ہاتھ فروخت کر کے اسی حرام مال سے قیمت لینا بھی حلال نہیں۔

ہاں جن لوگوں کی آمدنی مشتبہ (مشکوک) ہو اور حلال و حرام سے ملی ہوئی ہو لیکن اگر حلال ہو مثلاً یہی سودخور شراب بیچنے والے کوئی دوسرا جائز پیشہ مثلاً حلال تجارت یا کچھ اور بھی کرتے ہوں اس وقت ان کی نوکری اور اپنی چیز ان کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے، بشرطیکہ تنخواہ یا سامان کی قیمت حلال مال سے دیں یا مشتبہ مال سے جس میں اکثر حلال ہو، کیونکہ مشتبہ مال سے احتراز دشوار ہے۔ اس لیے ضرورۃً جائز ہے اگرچہ تقویٰ کے خلاف ہے۔ (امداد الفتاوی ۳/۳۷۸، سوال: ۳۴۳)

جس نوکری سے نماز چھوٹتی ہو وہ چھوڑنے کے قابل ہے

سوال: ۳۵۵- ایسی ملازمت جس کی وجہ سے فرض نماز قضا ہوتی ہو، ایسی

نوکری جائز ہے یانہیں؟ جب کہ نوکری کرنے سے والدین خوش ہیں، اور چھوڑنے سے والدین بہت ناراض ہوں گے۔

الجواب: ایسی نوکری اس وجہ سے کہ فرض نماز فوت ہوتی ہے، اور کفار و مسلمین کے مقابلہ کے وقت کفار کی تائید کرنی پڑتی ہے۔ ناجائز ہے، اس کو چھوڑ دینا چاہئے اگرچہ والدین ناراض ہوں۔ خداتعالیٰ کے سامنے کسی کی اطاعت نہیں ہے۔

(امدادالفتاویٰ ۳/۳۳۸)

ناجائز کام کی نوکری

ناجائز فعل کی نوکری جائز نہیں، اور تصویر بنانے کی نوکری کرنا جائز نہیں …… لیکن جو نوکر ہو چکا ہو اور وہ قانون سے مجبور ہے مجبوری میں اس کو اجازت ہے۔

(امدادالفتاویٰ ۴/۱۳۹-۱۴۰)

انوکھا جانور دکھلا کر پیسہ لینا جائز نہیں

سوال: ۳۲۴- کسی انوکھے عجیب جانور کو لوگوں کو دکھلا کر پیسہ لینا جائز ہے یانہیں؟

الجواب: جائز نہیں۔ (امدادالفتاویٰ ۳/۳۵۷)

کچہری اور بینک کی ملازمت

سوال: ۳۹۰- کچہری (اور بینک) کے ملازمین جو کاغذات کی نقل وغیرہ کرتے ہیں ان کی وہ ملازمت جائز ہے یانہیں، اتنی بات ضرور قابل تحریر ہے کہ نقل میں سود بھی لکھنا پڑتا ہے اور بعض میں نہیں، اگر یہ ملازمت جائز نہیں کوئی شرعی طریقہ جائز ہونے کا تحریر فرمائیے کہ جس میں نقل نویسی کی تنخواہ جائز اور درست ہو جائے گی۔

الجواب: سود کے مضامین کی نقل کرنا یہ سود کی اعانت ہے یہ تو ناجائز ہے،

لیکن اس کام کی تنخواہ ایک فقہی قاعدے کی بنا پر حلال ہے، **وھی اباحة مال غیر المسلم والذمی برضاه فی غیر دار الاسلام** (یعنی اس وجہ سے تنخواہ حلال ہے کہ غیر دار الاسلام میں غیر مسلم اور ذمی کا مال اس کی رضامندی سے مباح اور حلال ہوتا ہے)۔

(امداد الفتاویٰ ۳/۴۰۰)

وکالت کا پیشہ

بیرسٹری (وکالت) کی آمدنی قطع نظر اس کے کہ شریعت کے نزدیک یہ کیسی ہے خود ہمدردی کے بھی خلاف ہے اس کی تو اب یہ حالت ہوگئی ہے کہ یہ بھی ایک قسم کی دوکانداری سی ہوگئی ہے، کسی پر مقدمہ ہو جائے اور وہ ان کو وکیل بنانا چاہے، تو کہتے ہیں کہ ہر پیشی پر پہلے اتنے لے لوں گا، جب کام کروں گا۔ اس کا بالکل خیال ہی نہیں ہوتا کہ اس بیچارہ کو اتنی مقدار دینے کی گنجائش بھی ہے یا نہیں بلکہ اگر وہ کہتا ہے کہ کچھ کم کر لیجئے تو وکیل صاحب فرماتے ہیں کہ بھاؤ بگڑتا ہے یہ ان کی ہمدردی ہے۔

پھر مقدمہ کی پیروی پر لیتے ہی ہیں، اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ذرا رائے دے دی اور پانچ سو روپے لے لئے۔

شریعت میں محض رائے پر محنتانہ لینا جائز بھی نہیں، یہ خالص رشوت ہے، شریعت نے جس چیز کو متقوم (قابل قیمت) نہیں قرار دیا اس کا معاوضہ جائز نہیں، مثلاً لڑکی کے عوض میں روپیہ لیا تو یہ حرام ہے۔ کیونکہ شریعت نے بیٹی کی کوئی قیمت نہیں رکھی، یا مثلاً کسی نے حاکم سے سفارش کر دی اور پچاس روپے لے لیے یہ پچاس روپے حرام ہیں۔

حاکم سے سفارش کرنا ایسا فعل ہے کہ شریعت نے اس کی کوئی قیمت مقرر نہیں کی، ہاں جس میں کوئی محنت مشقت ہو اس کی قیمت مقرر کی ہے۔ ہر فعل کی قیمت مقرر

نہیں کی۔ الغرض رائے کی قیمت لینا جائز نہیں، اگر رائے کی قیمت ہو تو جو بھی کوئی رائے دے دے قیمت لے لیا کرے۔

اگر یہ کہو کہ اوروں کی رائے میں اور ہماری رائے میں فرق ہے کہ ہم قانون داں ہیں، ہماری رائے سے لوگوں کا کام چلتا ہے، تو میں کہتا ہوں کہ اگر کسی کو رائے دے دی تو اس میں کون سی محنت پڑی، اور اگر کہو کہ اس میں محنت یہ ہے کہ سوچنا پڑتا ہے تو یہ دماغ خرچ کرنے کی قیمت ہے۔ تو میں کہوں گا کہ اگر محنت اس کا نام ہے تو پھر رومال میں روپئے باندھنے پڑیں گے پھر ان کو صندوق میں رکھنا پڑے گا، ان سب باتوں کی بھی قیمت ہونی چاہئے، کیونکہ ایسی محنت ان کے اندر بھی ہے، بس اس کا سارا گھر لے لو۔

(التبلیغ ۱۵/۵۹، احکام المال)

وکالت کی آمدنی

فرمایا وکالت کی آمدنی میں خود فقہاء کرام کو کلام ہے خواہ مقدمات سچے ہی آتے ہوں اور جھوٹے مقدمات میں تو کسی کو اس کے ناجائز ہونے میں کلام ہی نہیں۔

مگر ہندوؤں سے زیادہ حصہ آتا ہے اور امام صاحب (امام اعظم ابوحنیفہ) کے نزدیک کافر غیر ذمی سے اس کی رضامندی سے اس کا مال لینا درست ہے، اس لیے امام صاحب کے اس قول پر فتویٰ کی رو سے (ایسی آمدنی سے دعوت) کھانا جائز ہے۔

(حسن العزیز ۳/۱۱۵)

وکالت کا پیشہ فی نفسہٖ جائز ہے یا نہیں

سوال: ۲۶۷- اگر وکالت کی فیس کو واجب یا حرام کی اجرت نہ کہا جائے بلکہ قاضی یا حاکم کے نفقہ کی طرح اس کو بھی نفقہ کہا جائے تو جواز کی گنجائش ہو سکتی ہے یا نہیں؟ نیز یہ بھی تاویل ہو سکتی ہے کہ وکیل نصرت کی اجرت نہیں لیتا بلکہ ایک خاص

وقت اور خاص دن میں محبوس رہنے کی اجرت لیتا ہے.................وکیل کو عدالت میں لے جانا اور اپنے کام کے لیے محبوس رکھنا یہ غالبا عند الشرع متقوم ہوسکتا ہے اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بسا اوقات ایک مقدمہ کئی کئی وکیل کرتے ہیں جن میں سے بعض گفتگو کرتے ہیں اور بعض خاموش بیٹھے رہتے ہیں جب عدالت کا وقت ختم ہوجاتا ہے چلے جاتے ہیں، اب ان وکیلوں نے جنہوں نے خاموشی کی حالت میں عدالت کے وقت کو پورا کردیا باوجودیکہ مقدمہ میں نصرت نہیں کی مگر فیس لے لی، اس سے معلوم ہوا کہ محض حبس (قید رہنے) کی فیس لی ہے ورنہ ان کو کچھ نہیں ملنا چاہئے کیونکہ مقدمہ میں نصرت نہیں کی، آیا اس تاویل سے وکالت جائز ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: سائل نے جو توجیہات جواز کی لکھی ہیں وہ کافی ہیں، اور ان سب سے سہل تر توجیہہ یہ ہے کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ حرمت استیجار مخصوص ہے طاعت مختصہ بامسلم کے ساتھ (یعنی یہ کہ اس طاعت کی اجرت حرام ہے جو مسلمان کے ساتھ مخصوص ہو) اور مظلوم کی نصرت منجملہ طاعات عامہ کے ہے، پس اس میں اس حرمت کا حکم نہ کیا جائے گا۔ حاصل یہ کہ وکالت کا پیشہ فی نفسہ جائز ٹھہرا مگر شرط یہ ہے کہ سچے مقدمات لیتا ہو۔ (امداد الفتاویٰ ۳/۳۲۰)

چنگی کی ملازمت

سوال: ۳۸۲- محکمۂ چنگی میں افسر، محرر، چپراسی وغیرہ ہوتے ہیں، اس محکمہ کا کام یہ ہے کہ تجارت پیشہ لوگ جو مال باہر سے لائیں ان پر وہ محصول (چنگی) جو کہ گورنمنٹ کی طرف سے مقرر ہے وصول کیا جاتا ہے............اس محکمہ کے سب لوگ محصول کے متعلق کوئی نہ کوئی کام کرتے ہیں، آیا اس محکمہ میں کسی قسم کی ملازمت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعت نے جو قواعد اموال پر محصول (ٹیکس) لینے کے مقرر فرمائے ہیں، جن کو فقہاء نے (باب العاشر) میں ضبط کیا ہے چونکہ اس محکمہ کے قواعد ان پر منطبق (مطابق) نہیں ہیں، اس لیے خلاف ما انزل اللہ (یعنی خلاف شرع) ہونے کی وجہ سے غیر مشروع (اور ناجائز) ہیں۔ اور حسب ارشاد الٰہی ’’وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَان اس کی اعانت (یعنی اس میں حصہ لینا) بھی معصیت ہوئی لہٰذا اس محکمہ کی ملازمت ناجائز ہے، مگر جو تنخواہ ملتی ہے وہ اس وجہ سے کہ غیر مؤمن حاکم کا کسی مال پر استیلاء (غلبہ) موجب تملیک ہو جاتا ہے، اور غیر مؤمن حاکم جو مال اپنی رضامندی سے کسی مؤمن کو دیں خواہ کسی عنوان سے ہو وہ مباح ہے۔ اس لیے تنخواہ حلال ہے۔

غرض ملازمت غیر مشروع اور من وجہ مشروع ہے، پس ملازم کو صرف عمل کا گناہ ہوگا، تنخواہ حلال ہوگی۔ اور اس کے اہل وعیال یا احباب ومہمان جو اس تنخواہ سے نفع اٹھائیں ان کو کوئی گناہ نہ ہوگا۔ (امداد الفتاوی ۳/۳۹۶)

غیر مسلم حکومت کی ملازمت جائز اور اس کی تنخواہ بالکل حلال ہے

غیر مسلم حکومت کی نوکری اچھی نوکری ہے

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْن الآیۃ، اس آیت میں فَیٔ (مال غنیمت) کا ذکر ہے یعنی مالِ غنیمت فقراء مہاجرین کے لیے ہے۔ یہ تو آیت کا ظاہری مطلب ہے جس کو سب سمجھ گئے، اور ایک مسئلہ اور بھی اس آیت میں ہے جس کو مجتہدین سمجھے اور ان کے سمجھنے کے بعد ہم بھی اب سمجھ گئے۔

وہ یہ کہ امام ابو حنیفہؒ اور دوسرے ائمہ میں اس میں گفتگو ہوئی کہ اگر کفار زبردستی

مسلمانوں کے مالوں پر قابض ہو جائیں تو مالک بن جاتے ہیں، یا نہیں؟ سب ائمہ کی رائے تھی کہ نہیں ہوتے، امام صاحب نے فرمایا کہ مالک ہو جاتے ہیں، اور اس کی دلیل یہی آیت ہے، کیونکہ فقیر کی تعریف ہے "مَنْ لَّا یَمْلِکُ شَیْئًا" یعنی جو کسی شیٔ کا مالک نہ ہو، اور ظاہر ہے کہ مہاجرین ہجرت سے پہلے مالدار تھے، مگر ہجرت کے وقت وہ مال کفار مکہ کے قبضہ میں ہو گیا تھا اگر کفار مکہ قبضہ سے ان کے مال کے مالک نہ ہو جاتے تو ان کو فقراء کیوں کہا جاتا۔

امام صاحب کا یہ مسئلہ ہم لوگوں کے حق میں بڑی رحمت ہے اگر یہ مسئلہ نہ ہوتا تو آج ہمیں حلال روزی نہ ملتی اس واسطے کہ آج کل غیر مسلم حکومتوں میں تحصیل (یعنی مال کی آمدنی) شرعی اصول کے موافق کہاں ہوتی ہے، ہم جن کی نوکری کرتے ہیں وہ ہمیں تنخواہ دیتے ہیں، اور ان کی تحصیل (یعنی مال حاصل کرنا) اصولِ شریعت کے موافق نہیں اس لیے دوسرے ائمہ کے یہاں وہ خود مالک نہیں ہوئے، تو ان کے دینے سے ہم کب مالک ہو سکتے ہیں، کیونکہ تملیک تو فروع ہے ملک کی (یعنی کسی کو مالک بنانا اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ خود مالک ہو) مگر امام صاحب کے نزدیک وہ مالک ہو گئے، اس لیے ان کے دینے سے ہم بھی مالک ہو جاتے ہیں، اسی واسطے اسلامی ریاستوں کی نوکری سے غیر اسلامی ریاستوں کی نوکری کو اچھا سمجھتا ہوں کیونکہ یہ شرعاً مالک ہو گئے، اور وہ مالک نہیں ہوئے، اگر کوئی کہے کہ یہ بات بڑی عجیب ہے کہ مسلم کی نوکری سے غیر مسلم کی نوکری اچھی ہے، جی ہاں عجیب ہی سی، یہ مصلحت ہے امام صاحب کے مذہب میں۔

(التبشیر ملحقہ دعوت وتبلیغ ص:۳۷۶)

ناجائز ملازمت اور ناجائز ذریعہ معاش فوراً نہیں چھوڑ دینا چاہئے

کسی کی ملازمت ناجائز ہو یا تنخواہ تھوڑی ہو اور رشوت لیتا ہو ان سے میں کہتا ہوں کہ ابھی ملازمت اک دم سے نہ چھوڑیں، بلکہ جائز ملازمت اور حصول روزی کی فکر میں سچے دل سے لگ جائیں، اور جب تک نہ ملے اس کو حرام سمجھیں اور یہ سمجھیں کہ مجبوری میں پاخانہ کھا رہا ہوں دوسرے روز توبہ و استغفار کرے۔ یہ نہ سمجھیں کہ میں ناجائز ملازمت کی اجازت دے رہا ہوں بلکہ اس کو ناجائز بتلا کر دوسری بڑی مصیبت سے بچا رہا ہوں کیونکہ تنگدستی افلاس بعض دفعہ کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

(خیر المال ص:۴۱، تجدید معاشیات ص:۲۷۳)

کاد الفقرا ان یکون کفرا (الحدیث) قریب ہے کہ فقر کفر ہو جائے، بعض لوگ فاقہ میں ایمان ہی کو خیر باد کہہ دیتے ہیں (یعنی ایمان چھوڑ دیتے ہیں)۔

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ حرام ملازمت کی اجازت دے دی حالانکہ وہ حرام ملازمت کی اجازت نہیں بلکہ اس کے ایمان کو محفوظ کرنا چاہتے ہیں کہ اس وقت تو گناہ ہی میں مبتلا ہے پھر کہیں ایمان سے بھی ہاتھ نہ دھولے، نیز اس وقت تو وہ اپنا نقصان کر رہا ہے اس کو چھوڑ کر پھر کہیں مخلوق کو پریشانی میں نہ ڈال دے، فقہی قاعدہ ہے کہ بڑے مفسدہ سے بچنے کے لیے چھوٹے مفسدہ کو اختیار کر لینا چاہئے، اگر اس نے حلال روزی تلاش کئے بغیر حرام ملازمت کو بھی چھوڑ دیا تو پھر دوسروں کو نقصان پہنچائے گا۔

(تفصیل الدین، دین و دنیا ص:۱۶۲)

خلاصہ یہ کہ اگر کسی کا تعلق ناجائز نوکری یا ناجائز ذریعہ معاش سے ہو تب بھی

اس کو قائم رکھے اور اس سے نکلنے کی فکر میں رہے۔ ایک دم سے نوکری چھوڑنے سے بعض اوقات پریشانی سے دور تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ برے خیالات دل میں پیدا ہونے لگتے ہیں، مثلاً اللہ میاں سے شکایت ہوتی ہے کفر تک نوبت پہنچتی ہے۔

(حسن العزیز۳/۱۵۳)

اسی لیے ہمارے حضرات بعض لوگوں کو ناجائز ملازمت چھوڑنے سے منع فرماتے تھے کہ جب تک حلال ملازمت ملے اس وقت تک اسی کو کئے جاؤ، اور استغفار و توبہ کرتے رہو، کیونکہ گو یہ ملازمت حرام ہے مگر ایمان کا وقایہ (محافظ) ہے، ایسا نہ ہو کہ افلاس (تنگدستی) پریشانی سے ایمان ہی جاتا رہے، ہم نے مسرف (فضول خرچی کرنے والوں) کو تو مرتد ہوتے ہوئے خوب دیکھا ہے کسی نے بخیل کو مرتد ہوتے ہوئے دیکھا ہو تو بتلائے، بخیل کو کبھی مرتد ہوتے ہوئے نہیں سنا گیا، وجہ یہ ہے کہ بخیل کے ہاتھ سے جب مال نہیں نکلتا تو ایمان کیسے نکلے گا، خیر یہ تو لطیفہ ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ایمان سے پھرتے ہیں وہ دنیوی تنگی سے پریشان ہو کر مرتد ہوتے ہیں، غیر اسلام کو حق سمجھ کر کوئی مرتد نہیں ہوتا اور بخیل آدمی کو تنگی سے تکلیف ہوتی ہے۔

بعض لوگوں سے حرام روزی نہ چھڑانے کی وجہ

محقق شیخ جب دیکھتا ہے کہ کسی شخص اور اس کے اہل وعیال میں توکل کی قوت نہیں اور ملازمت وغیرہ کسی حرام ذریعہ معاش کے چھڑانے میں اور طرح طرح کے خطرات و مفاسد ہیں، مثلاً چوری کرنے لگے، قرض مارنے لگے، عیسائی ہو جائے، یا اور کوئی مذہب اختیار کرلے، تو وہ ملازمت چھڑوانے کا مشورہ نہیں دیتا، البتہ کچھ قید لگا دیتا ہے مثلاً اس نوکری کو حرام سمجھتے رہو، دوسرے استغفار کرتے رہو، تیسرے حلال نوکری کی تلاش کرتے رہو، اور دوسری حلال نوکری ملنے پر بھی فوراً پہلی نوکری کو

چھوڑنے کی رائے نہیں دیتا، بلکہ رخصت لے کر دوسری نوکری کی حالت کا اندازہ کر لینے کا مشورہ دیتا ہے۔ (تجدید معاشیات ص:۳۲۹)

ضرورت کے وقت ناجائز عہدوں کو بھی قبول کرنے کی اجازت ہے

اس وقت (دیندار) مسلمانوں کے لیے مناسب ہے کہ وہ ایسی حکومتیں (اور عہدے) قبول کر لیا کریں (جو کہ فی نفسہ ناجائز ہیں) اور یہ اس قاعدہ میں داخل ہے کہ اشد المفسدتین کو دفع کر لینے کے لیے اخف المفسدتین (یعنی بڑے نقصان سے بچنے کے لیے چھوٹے نقصان کو) اختیار کر لیا جاتا ہے اور ہے تو یہ بھی بُرا (اور غلط) لیکن دوسرے مفسدہ کی بہ نسبت پھر بھی اخف (ہلکا) ہے اور وہ بڑا مفسدہ یہ ہے کہ ہماری قوم (اور دیندار غریب مسلمان) بالکلیہ دوسروں (اور فاسقوں، فاجروں) سے مغلوب نہ ہو جائے، کیونکہ اگر ہم بھی حاکم ہوں گے، تو ہم پر ظلم کم ہوگا پس اس نیت سے اگر (ناجائز) عہدہ لے لے تو اس میں بڑی مصلحت ہے۔ (حسن العزیز ۳/۱۵۸)

(الغرض اس قسم کے ناجائز عہدوں کو) اگر مضرت (یعنی نقصان) کو دفع کرنے کی غرض سے اختیار کیا جائے تاکہ امت مسلمہ (مرحومہ) پر کفار (اور بددینوں) کی طرف سے جو مظالم اور مضرتیں (مصیبتیں اور دشواریاں) پہنچتی ہیں اہل مناصب (یعنی دین دار عہدیدار) بقدر امکان اگر ان کو دفع نہ کر سکیں تو کم از کم تقلیل و تخفیف (یعنی کمی) کر سکیں تو اس صورت میں جواز کی گنجائش ہے۔

(صائب الکلام فی مناصب الحرام، بوادر النوادر ۲/۷۹۸)

حاصل یہ ہے کہ ناجائز عہدوں کو حاصل کرنا، اس نیت سے جائز ہے کہ میں

لوگوں کو نقصان سے بچاؤں گا، یا اس نیت سے کہ دوسرا جو نقصان پہنچا تا ہے اس سے کم پہنچے گا، یعنی اس کے مقابلہ میں مجھ سے نقصان کم پہنچے گا دوسروں سے زیادہ پہنچے گا۔

(حسن العزیز ۴/۱۶۰)

شرعی تحقیق

جو لوگ ان حکومتوں (یعنی ناجائز منصب اور عہدوں) کو اختیار کرتے ہیں، دیکھنا چاہئے کہ ان کے قبول کرنے سے خود ان کو یا عام مسلمانوں کو کوئی شدید نقصان لاحق ہونے کا ظن غالب ہے یا نہیں، دوسری صورت میں (یعنی جب کہ نقصان پہنچنے کا خطرہ اور ظن غالب نہ ہو) ان حکومتوں (اور عہدوں) کا قبول کرنا جائز نہیں، اور پہلی صورت میں دیکھنا چاہئے کہ آیا اس شخص کی نیت اس نقصان کے دفع کرنے کی ہے (جس کا مسلمانوں کا خطرہ ہے) یا محض مال وجاہ کا نفع حاصل کرنے کی (نیت ہے) پہلی نیت ہو تو جواز کی گنجائش ہے، اور دوسری نیت ہو (یعنی مال وجاہ کی) تو ناجائز۔

پس کل تین صورتوں میں سے صرف ایک صورت میں (یعنی جب کہ نقصان سے بچانے کی نیت سے منصب حاصل کیا جائے، اس صورت میں) جواز کی گنجائش ہے (باقی دو صورتوں میں نہیں)۔

اور آیت **وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الظَّالِمُوْن**، (یعنی اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہی لوگ ظالم ہیں) اس آیت کا مصداق بقیہ دو صورتیں ہوں گی (نہ کہ پہلی) البتہ اگر دو ناجائز صورتوں میں بھی سلطنت کی طرف سے مجبور کیا جائے اور عذر قبول نہ کیا جائے تو پھر ان میں بھی گنجائش ہے۔ لیکن ہر حال میں جہاں تک ممکن ہو خلاف شریعت سے بچنے کی کوشش کرے۔

(امداد الفتاویٰ ۳/۴۳۰، سوال: ۴۳۹)

جس کی آمدنی حرام کی ہو، اس کے لیے حلال روزی کا طریقہ

ہماری حالت یہ ہے کہ گھر میں غلہ ہے وہ حرام ہے بدن پر کپڑا ہے، وہ حرام ہے، روپیہ ہے وہ حرام ہے تو اب حلال روزی اور غذا کھائیں تو کیسے؟ ہاں گھاس کھودیں تو حلال غذا کھائیں تو ہم ایسے سخت کام کے عادی نہیں ہیں، اس کا اصلی جواب تو یہ ہے کہ کچھ بھی ہو سب چھوڑ و اور تقویٰ اختیار کرو، لیکن میں دیکھتا ہوں کہ کوئی نہ چھوڑے گا، اس لیے ایک سہل صورت اس کی بھی بتلاتا ہوں گو دل تو نہ چاہتا تھا کہ بتاؤں لیکن کیا کروں مسلمانوں کی حالت دیکھ کر بہت دل دکھتا ہے کہ شریعت کے خلاف دین تو تباہ کرتے ہی ہیں دنیا بھی برباد کررہے ہیں، اس لیے ایسی صورتیں بتلانے پر جسارت ہوئی۔ ورنہ حقیقت میں یہ باتیں ظاہر کرنے کی نہیں ہیں (کیونکہ لوگ اس کا غلط فائدہ اٹھانے لگتے ہیں) وہ یہ ہے کہ تم اپنی پہلی جنس (غلہ) اور پہلے روپئے کو تالے میں بند کر کے رکھ دو، اور کسی مہاجن (غیر مسلم) سے جنس ادھار لے لو، یا روپیہ قرض لے کر اس سے جنس خرید لو، پھر اس ادھار کو اپنی آمدنی سے ادا کر دینا۔

اگر کوئی کہے کہ مہاجن کے پاس روپیہ یا اناج کہاں سے آیا ہے اس کے پاس بھی تو سود وغیرہ کا ہے؟ بات یہ ہے کہ اگر حکومت میں دو شخص ہوں ایک باغی ہو اور ایک رعایا میں جو عہد دار بھی ہے، اور دونوں مثلاً چوری کے جرم میں پکڑے گئے تو اس عہدیدار کو تو چوری کی سزا ہوگی اور باغی کی اس پر سزا نہ ہوگی اس کے لیے یہ جرم ہی نہیں، اس کو سزا بغاوت پر ہوگی، وہ اگر بغاوت پر معافی چاہے تو سب کھایا پیا معاف ہے، پس کفر تو بمنزلہ بغاوت کے ہے، اس کے ہوتے ہوئے فروعی احکام کا مخاطب ہی نہیں، اور ہم ہیں رعایا میں سے، پس مہاجن کے لیے سود وغیرہ جرائم نہیں ہیں، اس کے یہ جرائم کفر کے اندر کھپ گئے اور ہمارے لیے یہ سب جرائم ہیں، بہت موٹی بات

ہے کہ جب تک بیٹا اطاعت کے دائرہ میں رہتا ہے تو اس سے ہر قسم کا مواخذہ کیا جاتا ہے اور جب دائرہ اطاعت ہی سے نکل جائے تو پھر اس سے ہر بات پر گرفت نہیں ہوتی، اس کی بڑی شکایت یہ ہوگی کہ اطاعت نہیں کرتا یہ شکایت نہ ہوگی کہ فلاں شرارت کیوں کی؟ اب آپ کی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ مہاجن سے جو قرض آپ لیں گے اس میں کوئی شبہ نہ ہوگا۔ (الصیام ص: ۱۷۰)

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شے (سامان) قرض کے روپۓ سے خریدی جائے اور وہ قرض حرام آمدنی سے ادا کر دیا جائے تو اس شے میں خبث کا اثر نہیں آتا، گو حرام آمدنی کمانے کا گناہ ہوگا۔

تو آپ یہ کیجئے کہ کھانے پینے کی تمام چیزیں (اپنے مال سے) نقد نہ خریدیئے، بلکہ کسی مہاجن سے یا کسی دوسرے مسلمان سے جس کی آمدنی حلال ہو کچھ روپیہ قرض لے کر تمام سامان خرید لیجئے، اور پھر وہ قرض جہاں سے چاہے ادا کر دیجئے۔ اس طور سے آپ حرام کے اثر سے بچ سکتے ہیں، گو حرام روپیہ سے قرض ادا کرنے کا گناہ ہوگا لیکن حرام کھانے سے تو بچے۔ (الصوم ملحقہ فضائل صوم وصلوٰۃ ص: ۲۲۸)

دلاّلی کی اجرت کی تعین اور سود سے بچنے کے لیے اس میں اضافہ

سوال: ۳۳۳، بعض جگہ دلاّلوں کی دلالی فی روپیہ ایک پیسہ مقرر ہے، یعنی جتنے روپۓ کا کپڑا فروخت کر دیں فی روپیہ ایک پیسہ دلالی لیتے ہیں، ایسی دلالی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جب اس اجرت کا جواز ثابت ہو گیا اور اس کے شرائط میں سے اجرت کا متعین ہونا ہے اور تعین کی یہ بھی ایک صورت ہے۔ اس لیے جائز معلوم ہوتا ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۳/۳۶۳)

سوال :۳۰۸: مہاجن ادھار مال دیتا ہے اور حق آڑہت فی سیکڑہ ایک روپیہ مقرر ہے اگر دوسرے ماہ روپیہ ادا نہ ہوا تو اصل پر سود لگاتا ہے اور مسلمان سود دینا نہیں چاہتا اور یہ کہتا ہے کہ بجائے سود کے حق آڑھت بڑھا لو، بجائے ایک روپے کے دو یا تین روپے سیکڑہ لے لو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے۔ (امداد الفتاوی ۳/۳۹۵)

دلالی کی ناجائز صورت

سوال۴۰۸: چند بیوپاریوں نے ایک بیوپاری کے پاس اپنا کچھ مال بھیج دیا اور لکھ دیا کہ پانچ روپے من فروخت کر کے ہمارے پاس روپیہ بھیج دو، اس بیوپاری نے اس مال کو چھ روپیہ من فروخت کر کے پانچ روپے کے حساب سے مالکوں کے پاس روپیہ بھیج دیا، اور روپیہ من جو زیادہ پڑا وہ خود رکھا، اور مالکوں کو اس کی خبر بھی ہوگئی اور وہ راضی بھی ہوگئے، کیونکہ اصل قیمت ان کی منشاء کے مطابق ان کے پاس آ گئی، اور اس نے اپنا حق المحنت اپنے پاس رکھا، پس اس طریقہ سے ہمیشہ کوئی کیا کرے تو شرعاً یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ مال چھ روپے من فروخت ہوا ہے، یہ سب روپے مالکوں کا حق ہے کیونکہ ان کے مال کا بدل ہے، اس میں سے (بیچنے والے) بیوپاری کو ہر من میں ایک روپیہ کھانا جائز نہیں (کیونکہ پہلے سے طے نہیں تھا پھر اگر کسی نے کر لیا تو) اگر مالکوں کو خبر ہو جائے اور اس کو معاف کر دیں تو معاف کر دینے کے بعد اس کو حلال ہو جائے گا، اگر مالکوں کو خبر نہ ہوئی یا وہ معاف نہ کرتے تو اس کے لیے وہ روپیہ حرام رہتا۔

(بیچنے والے بیوپاری کی اجرت متعین ہونا چاہئے اگر یہ کہہ دیا کہ پانچ روپے من کے اعتبار سے غلہ کی قیمت ہم کو دینا اور جتنے زائد کا بیچ لو وہ تمہاری محنت مزدوری

ہے تب بھی درست نہیں کیونکہ معلوم نہیں کتنے کا فروخت ہو اور اس کو کتنی اجرت ملے اجرت مجہول ہے اس لیے یہ صورت بھی صحیح نہیں)۔ (امداد الفتاویٰ ۳/ ۴۰۷)

نکاح کرانے کی دلّالی اور رشتہ کرانے کی اجرت

سوال :۳۳۳، نکاح کی دلالی میں بعض لوگ اجرت دیتے لیتے ہیں یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعت میں جاہ (عزت اور وجاہت) کوئی اجارہ کے قابل چیز نہیں، جہاں بھی اجرت جاہ کے مقابلہ میں ہو وہ حرام ہے، اور نکاح میں یقیناً کوشش کرنے والے قول کا قبول کرنا اس کی جاہ (عزت) پر موقوف ہے۔ چنانچہ اگر کوئی غیر ذی جاہ (جس کو عزت و جاہت حاصل نہ ہو) اس سے زیادہ کوشش کرے اور کامیابی نہ ہو ہرگز اس کو اس قدر عوض نہ دیا جائے گا، (یہ علامت ہے اس بات کی کہ یہ اجرت جاہ کے مقابلہ میں ہے) اس لیے یہ دلالی حرام ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۳/ ۲۶۳)

سوال ۳۷۷: رشتہ کرانے کی لڑکی یا لڑکے والے سے کچھ اجرت مقرر کر کے لیتے ہیں جوڑا وغیرہ بھی لیتے ہیں، یہ درست ہے یہ نہیں؟

الجواب: اگر ساعی (کوشش کرنے والے) کو کوئی وجاہت حاصل نہ ہو اور جہاں اس نے کوشش کی ہے وہاں کوئی دھوکہ نہ دے، تو اس اجرت کو آنے جانے کی اجرت سمجھ کر جائز کہا جائے گا، ورنہ محض شفاعت اور دھوکہ دے کر اجرت لینا جائز نہیں۔ (امداد الفتاویٰ ۳/ ۳۹۳)

سفارش اور رائے و مشورہ پر اجرت لینا

شریعت نے جس چیز کو متقوم (قیمت دار) قرار نہیں دیا اس کا معاوضہ لینا جائز نہیں، حاکم (افسر وغیرہ) سے سفارش کرانا بھی ایسا ہی فعل ہے، (کیونکہ سفارش کرنا

بھی شریعت میں غیر متقوم ہے (اسی طرح) شریعت میں رائے پر محنتانہ لینا جائز نہیں یہ خالص رشوت ہے، ہاں جس میں کوئی محنت مشقت ہو اس کی (شریعت نے) قیمت مقرر کی ہے ایسے محنت والے کام میں اجرت لینا بھی جائز ہے۔

(امداد الفتاوی ۳/۳۴۲، التبلیغ احکام المال ۱۵/۵۷)

نکاح خوانی کی اجرت

اگر دوسرے اجارات مثلاً بچوں کی تعلیم صنعتوں اور حرفتوں کی طرح اس کی بھی حالت رکھی جائے کہ جس کا دل چاہے جس کو چاہے بلائے، اور کسی کی خصوصیت نہ سمجھی جائے، اور جس اجرت پر چاہیں جانبین رضامند ہو جائیں نہ کوئی قاضی اپنے کو مستحق اصل قرار دے نہ دوسروں کے ذہن میں اس کو پیدا کیا جائے کہ یہ صرف قاضی صاحب ہی کا حق ہے۔ اور اگر اتفاق سے کوئی دوسرا یہ کام کرنے لگے تو اس سے رنج اور آزارگی (تکلیف) نہ ہو شہر میں جتنے چاہیں اس کام کو کریں ان سب کو آزاد سمجھا جائے، ہاں جو اس کام کا اہل نہ ہو اس کو خود ہی جائز نہ ہوگا، اس کو ایک عارض کی وجہ سے روکا جائے۔

اس طرح اس نکاح کے معاملہ کیا جائے اور نیز بلانے والے اپنے پاس سے اجرت دیں دولہا والوں کی تخصیص نہ ہو اس طرح البتہ جائز اور درست ہے، غرض دوسرے اجرت کے کاموں میں اور اس میں کوئی فرق نہ کیا جائے تو جائز ہے۔

(امداد الفتاوی ۳/۴/۳۷-۲۷۸)

ناحق مقدمہ جیت کر مال لینا درست نہیں

مسلمان سمجھتے ہیں کہ آمدنی اور خرچ کے متعلق شریعت کا کوئی قانون نہیں، خوب سمجھ لو کہ جیسے نماز روزہ کا قانون ہے اسی طرح اس کا بھی قانون ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق طریقہ سے مت کھاؤ، اس سے حرام آمدنی کو

روکتے ہیں۔

آج کل اس کی بھی بڑی کثرت ہے کہ ذرا سی کوئی بات ہوئی اور مقدمہ دائر کر دیا، خوب سمجھ لو کہ حاکم کسی دوسرے کا حق ظاہری ثبوت سے دلا بھی دے تو واقع میں وہ اس کا حق نہیں ہو جاتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر میں کسی کا حق کسی کو دلا دوں تو وہ خوب سمجھ لے کہ میں اس کو آگ کی چنگاری دلاتا ہوں۔

پس سمجھ لیجئے کہ اگر کوئی حاکم کسی کا حق دوسرے کو دلا دے تو وہ اس کے لیے حلال نہ ہو جائے گا۔ (احکام المال، التبلیغ ۱۵/۱۳۶)

قانون کے زور سے باپ کا مال جبراً لینا جائز نہیں

ایک نومسلم صاحب خدمت میں حاضر ہوئے، اور یہ مسئلہ پیش کیا کہ ان کے والد جو ابھی کافر ہیں، اپنی تمام جائداد اپنے بیٹوں کو جو ابھی کافر ہیں دے دی، اور ان کو نہیں دی، اس پر نومسلم نے بیرسٹروں وکیلوں وغیرہ سے رائے لی تو معلوم ہوا کہ ان کو قانوناً مل سکتی ہے، پھر انہوں نے علماء سے رجوع کیا چنانچہ حضرت والا کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے۔

حضرت والا نے فرمایا اسلامی قانون کی رو سے اجازت نہیں کہ آپ زبردستی اپنے والد صاحب کی جائداد میں سے حصہ لیں۔ آپ کے والد کی چیز ہے وہ مالک ہیں۔ انہیں اختیار ہے چاہے جس کو دیں چاہے جس کو نہ دیں۔

(حسن العزیز ۲/۳۳)

غریب مزدور سے جبراً کام لینا ظلم ہے اگر چہ اس کو مزدوری دے دی جائے

ظلم سے بہت کم لوگ بچے ہوئے ہیں، بعض جگہ رئیسوں (سیٹھوں) میں دستور ہے کہ چوپال میں بیٹھے ہوئے ہیں اور سامنے سے کوئی مزدور سر پر بوجھ رکھ کر گذرا تو اس کو بلا کر کہہ دیا کہ یہ سامان تو یہاں رکھ دو اور فلاں جگہ جا کر یہ کام کر آؤ، یہ صریح ظلم ہے کیونکہ اس سے عموماً ناگواری ہوتی ہے۔ وہ غریب بیچارہ رئیس (سیٹھ صاحب) کے ڈر سے کچھ نہیں کہتا۔ مگر اس کا دل ہی جانتا ہے اس کا وقت کیسا کھوٹا ہوا۔

اگر کام لینا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو یہ کہو کہ ہم لوگوں کو فلاں جگہ ایک آدمی بھیجنے کی ضرورت ہے اور اتنی مزدوری دیں گے، اگر تم کو مزدوری لینا ہو تو سامان رکھ کر یہ کام کر دو، غرض غریب کا دل خوش کر دینا ہی کیا مشکل ہے، دو چار آنے میں خوش ہو جاتا ہے مگر دونوں طرف سے واقعی رضامندی ہونا چاہئے۔

(وعظ خیر الارشاد ملحقہ التبلیغ ۱۴/۱۰۴)

ایسا ظلم جس سے بہت کم لوگ بچتے ہیں

بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ ٹم ٹم گاڑی (رکشہ وغیرہ) کا کرایہ طے نہیں کرتے، نہ قلی کی مزدوری طے کرتے ہیں، بس بے کہے سنے سوار ہو گئے، یا مزدور کے سر پر بوجھ لاد دیا، اور بعد میں (اپنی مرضی ورواج کے) مطابق کرایہ دیتے ہیں، تو یاد رکھو کہ یہ جائز نہیں ہے، بلکہ کرایہ پہلے طے کرنا چاہئے (کیونکہ) شریعت نے ظلم کو روکنا چاہا ہے نیز اس سے بچانا چاہا ہے کہ بعد میں جھگڑا نہ ہو۔

ظاہر ہے کہ مزدور سے بلا رضامندی کے کسی کو کام لینے کا کیا حق ہے، اسی طرح

کسی کی گاڑی میں اس کی خوشی کے بغیر سوار ہونے کا کسی کو کیا حق ہے؟

شرعی طریقہ یہ ہے کہ گاڑی (رکشہ) والے سے یا قلی سے کام لینے سے پہلے صاف کہہ دے کہ اتنا کرایہ یا اتنی مزدوری دیں گے، اس سے زیادہ نہ دیں گے اگر خوشی ہو تو قبول کرلو، اگر وہ اس پر بٹھالے یا سامان اٹھالے تو بالکل جائز ہے، کیونکہ اب آپ نے معاملہ صاف کرلیا اور دوسرے نے بخوشی اس کو منظور کرلیا۔

یہ طریقہ غلط ہے کہ پہلے خاموشی سے سوار ہو جاؤ (اور کچھ کرایہ طے نہ کرو) ورنہ بعد میں جھگڑا ہوگا۔ چنانچہ ہم نے اکثر لوگوں سے جھگڑا ہوتے ہوئے دیکھا ہے، اگر انسان میں تھوڑی بھی شرافت ہو تو وہ بعد میں جھگڑے کو ہرگز گوارہ نہ کرے گا، شریعت کی یہی تعلیم ہے کہ کرایہ اور مزدوری پہلے طے کرلو، پھر نفع اٹھاؤ۔

(التبلیغ خیر الارشاد ص:۱۴)

ایک ظالم کا قصہ

ایک عہدیدار صاحب کا قصہ ہے کہ انہوں نے اسٹیشن پر سامان اٹھانے کے لیے ایک قلی کیا اور مزدوری میں اس کو دونی دی جو کھوٹی تھی، قلی نے کہا اس کو بدل دیجئے، چلے گی نہیں، انہوں کے کہا کہ چلے گی کیوں نہیں؟ اس نے کہا صاحب کیسے چلے گی یہ تو کھوٹی ہے، اس کا انہوں نے کیسا ظالمانہ جواب دیا کہ جیسے ہم نے چلادی تم بھی چلا دینا، ارے تم نے تو ظلم و زبردستی سے چلادی اس کو کون سا شخص ایسا ملے گا جس پر ظلم و زبردستی کر سکے، بس وہ بیچارہ روتا ہوا چلا گیا، اور یہ فرعون کی طرح بیٹھے رہے پرواہ بھی نہیں کی۔

خدا جانے یہ کیسی ہمدردی ہے بس ان لوگوں میں ہمدردی کے الفاظ ہی الفاظ ہیں، ظاہر کچھ ہے باطن کچھ ہے۔ (التبلیغ احکام المال ۸۵/۱۵)

سفر حج میں تجارت

حق تعالیٰ کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ اپنے خاص دربار کی زیارت کو آتے ہوئے بھی (یعنی حج کے سفر میں) تجارت کی اجازت دے دی، بھلا اگر تم کسی بادشاہ یا ادنیٰ حاکم سے ملنے جاؤ اور ساتھ ہی تجارتی مال بھی لے جاؤ تو اس کو یہ کتنا ناگوار ہوگا، اس کے دل میں تمہاری ملاقات کی کچھ وقعت نہ ہوگی۔

مگر حق تعالیٰ نے اجازت دے دی کہ سفر حج میں تجارت کرنا گناہ نہیں، بلکہ قواعد فقہ سے ایک صورت میں یہ تجارت مستحب بھی ہے جب کہ یہ نیت ہو کہ اس سے رقم بڑھے گی تو سفر حج میں سہولت ہوگی، اور فقیروں کی امداد بھی کریں گے، رہی یہ بات کہ اس صورت میں خلوص ہوگا یا نہیں؟ اس کے جواب میں تفصیل ہے۔

وہ یہ کہ اگر اصل مقصود حج ہے اور تجارت تابع ہے جس کی علامت یہ ہے کہ اگر تجارت کا سامان نہ ہوتا تب بھی حج کو ضرور جاتا تو اس صورت میں خلوص باقی ہے اور حج کا ثواب بھی کم نہ ہوگا۔ اور اگر حج و تجارت دونوں کی نیت برابر درجہ میں ہے تو اس صورت میں تجارت جائز تو ہے مگر خلوص کم ہوگا (اور ثواب بھی کم ہوگا) اور جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے حج کے ساتھ ایک مباح فعل کو شامل کرلیا ہے۔

اور اگر تجارت اصل مقصود ہے اور حج تابع ہے تو اس صورت میں گناہ ہوگا، اور یہ شخص مخلص نہیں ریاکار ہوگا۔ کیونکہ مخلوق کو دھوکہ دے رہا ہے، کہ جاتا ہے تجارت کے لیے اور ظاہر کرتا ہے کہ حج کو جارہا ہوں۔

سفر حج میں تجارت کرنا افضل ہے یا نہیں

رہی یہ بات کہ اگر اصل مقصود حج ہو اور تجارت تابع ہو تو اس صورت میں مال تجارت لے جانا افضل ہے یا نہ لے جانا۔ تو اگر زادِ راہ (خرچ وغیرہ) بقدر کفایت

موجود ہوتو افضل یہ ہے کہ تجارت کا سامان نہ لے جائے کیونکہ اس میں خلوص زیادہ ہے، اور اگر زادِ راہ بقدرِ ضرورت ہے لیکن بقدر کفایت نہیں (یعنی مشکل سے کام چل سکے گا) اور تجارت کی نیت تابع ہے تو اس نیت سے کہ سفر میں سہولت ہوگی، اس نیت سے اس کے لیے مالِ تجارت لے جانا باعثِ ثواب ہے۔

(تجدید معاشیات بحوالہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ ص:۲۰۴)

پنشن کی حقیقت اور اس کا حکم

ایک مولوی صاحب نے پوچھا کہ پنشن کی حقیقت کیا ہے؟

فرمایا پنشن کی حقیقت احسان ہے گویا یہ معذور ہوگیا اب کہاں جائے بس یہ ہبہ (ہدیہ) ہے لہٰذا جائز ہے۔ (حسن العزیز:۲/۳۵۰)

پنشن سود کے ساتھ

سوال ۱۹۷۷: گورنمنٹ کا قانون ہے کہ ملازمین کی تنخواہ میں سے مثلاً فیصد دو روپے ہر مہینہ کاٹ لیتی ہے، چاہے کوئی راضی ہو یا نہ راضی ہو، اور یہ رقم سرکاری خزانہ میں جمع رہتی ہے، اور جس قدر ہر ماہ رقم جمع کرتی ہے اسی قدر گورنمنٹ اپنی طرف سے اس شخص کے لیے نام زد کردیتی ہے، اور کل رقم سرکاری نوکری سے علیحدہ ہونے کے بعد خواہ پنشن ہونے پر یا خود نوکری چھوڑ دے، اس وقت کل روپیہ سود کے ساتھ سرکار واپس کردیتی ہے یہ لینا جائز ہے یا نہیں اور اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: تنخواہ کا کوئی حصہ اس طرح وضع کرادینا اور پھر یکمشت وصول کرلینا اگرچہ اس کے ساتھ سود کے نام سے کچھ رقم ملے یہ سب جائز ہے کیونکہ در حقیقت وہ سود نہیں ہے بلکہ تبرع ابتدائی (یعنی احسان ہے) گو گورنمنٹ اس کو اپنی اصطلاح میں سود ہی کہے، (اس لیے) اس کا لینا جائز ہے، (کیونکہ) یہ سود نہیں۔ یہ

صلہ (ہمدردی) ہے تسمیہ سے (یعنی محض سود کا نام رکھ دینے سے اس میں) حرمت نہیں آئی۔ (امداد الفتاویٰ ۳/۱۴۹-۱۵۰)

پنشن کو بیچنے کا شرعی حکم

سوال ۵۹۵: گورنمنٹ کا قانون ہے کہ جو ملازمین ملازمت ختم ہونے کے بعد پنشن پاتے ہیں ان ملازمین کی خواہش پر گورنمنٹ پنشن کی قیمت دے کر واپس خرید لیتی ہے، جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً کوئی دوسو روپے مہینہ کا ملازم تھا اور اس کی پنشن سو روپے مہینہ مقرر ہوئی اس مقدار میں نصف حصہ پر یعنی پچاس روپے تک گورنمنٹ خرید لیتی ہے، یعنی ہر ماہ پنشن ملنے کے بجائے دس سال کا روپیہ یکمشت صاحب پنشن کو دے دیا جاتا ہے، لیکن اس میں یہ بھی شرط ہے کہ ڈاکٹر معائنہ کے بعد یہ بھی کہہ دے کہ اس وقت اس کی تندرستی ایسی ہے کہ بظاہر کسی قسم کا مرض وغیرہ نہیں ہے تو ایسی صورت میں شرعاً پنشن کو بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ صورتاً بیع ہے ورنہ حقیقت میں گورنمنٹ کی طرف مستقل تبرع (احسان) ہے۔ اس لیے گورنمنٹ کی رضامندی سے جائز ہے۔

(امداد الفتاویٰ ۴/۵۸۰)

کمپنی کے حصوں سے تجارت

سوال ۱۶۳: اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ شریک ہو کر کمپنی بناتے ہیں اور تجارتی کاروبار کرتے ہیں، ان کمپنیوں کے حصے اکثر فروخت ہوتے رہتے ہیں جو لوگ حصے خریدتے ہیں ان پر سالانہ منافع جس قدر بھی کمپنی کو ہو تقسیم کر دیا جاتا ہے کبھی کم کبھی زیادہ، اسی طرح اگر کمپنی کو نقصان ہو تو حصہ دار اپنے حصہ کے مطابق

نقصان کے ذمہ دار ہوتے ہیں، ایسے حصے خرید کر تجارت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: تجارتی کمپنی جس میں مختلف کاروبار ہوتے ہیں اور سودی معاملات بھی ہوتے ہیں اور جس کے حصے فروخت ہوتے ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ چونکہ ہر حصہ دار اپنے حصہ کا مالک اور کاروبار (یعنی کمپنی) کا عملہ ان حصہ داروں کا وکیل ہوتا ہے، اور شرعاً ان کا فعل حصہ داروں کی طرف منسوب ہوتا ہے اگر وہ کوئی ناجائز تجارت کریں گے اور یقیناً کرتے ہیں حتی کہ مسلمانوں سے سود بھی لیا جاتا ہے، تو ایسا ہی ہوگا جیسے خود حصہ دار کریں، اس لیے ایسی کمپنی میں شرکت ناجائز ہے (البتہ ایسی کمپنی جو جائز طریقہ پر تجارت کرتی ہو اور سودی لین دین بھی نہ کرتی ہو اس میں شرکت کرنا جائز ہے)۔

(امدادالفتاوی ۳/۱۳)

خاص قسم کے ٹکٹوں کی خرید و فروخت اور اس پر مشروط انعام

سوال ۱۵۲: آج کل بعض تجارتوں کا یہ طریقہ ہے کہ کاغذ فروخت کرتے ہیں اس میں چار ٹکٹ لگے ہوتے ہیں جس کو وہ شخص اسی قیمت پر مثلاً ایک روپیہ میں چار لوگوں کے ہاتھ بیچ ڈالتا ہے اور ان چار لوگوں سے وہ روپیہ وصول کر کے اور ان کا پتہ لکھ کر کمپنی کو بھیج دیتا ہے کمپنی اس شخص کو (جس نے ٹکٹ بیچے تھے) ایک گھڑی بھیج دیتا ہے، اور ان چاروں لوگوں کے نام ایک ایک کاغذ ویسا ہی بھیج دیتا ہے، جس میں ویسے چار ٹکٹ ہوتے ہیں جس کو چاروں شخص لوگوں کے ہاتھ اسی قیمت مثلاً ایک روپیہ میں پھر بیچ میں ڈالتے ہیں، جب روپیہ ان لوگوں کے پاس آجاتا ہے تو وہ لوگ بھی کمپنی میں روپیہ اور جن کے ہاتھ وہ ٹکٹ بیچے ہیں ان کا پتہ وغیرہ لکھ کر بھیج دیتے ہیں، کمپنی ایک ایک گھڑی ان کے نام بھیج دیتی ہے، اور ایک کاغذ ویسا ہی جن کے نام انہوں نے ٹکٹ بیچے کمپنی ان کے نام بھیج دیتی ہے، پھر وہ لوگ بھی ایسا ہی عمل کرتے ہیں اور اسی طرح

سلسلہ جاری رہتا ہے، ہاں البتہ جس شخص کے ٹکٹ فروخت نہ ہوں گے وہ البتہ نقصان اٹھائے گا۔ تو شرعاً یہ بیچنا خریدنا جائز ہے یا نہیں اور شرعاً ایسا کرنا کیسا ہے؟

الجواب: اس معاملہ کی حقیقت کا حاصل یہ ہے کہ کمپنی پہلے خریدار سے بالواسطہ اور دوسرے خریداروں سے پہلے خریدار کے واسطے سے یہ معاہدہ کرتی ہے کہ تم نے جو روپیہ بھیجا ہے اگر تم اتنے خریدار پیدا کرلو تو اس بھیجے ہوئے روپیہ کے بدلے میں ہم نے تمہارے ہاتھ گھڑی فروخت کردی، ورنہ تمہارا روپیہ ہم ضبط کرلیں گے۔ سو اس میں دونوں شرطیں فاسد اور باطل ہیں۔

دوسرے خریداروں کے پیدا کرنے کی تقدیر (شرط) پر فروخت کرنا بھی عقد فاسد ربوٰ (سود) کے حکم میں ہے۔ اور تعلیق کے وقت قمار (جوا) ہے۔ (یعنی یہ معاملہ جوئے اور سود پر مشتمل ہے) اور سود اور جوا دونوں حرام ہیں۔

اس طرح دوسری شرط یعنی خریدار نہ پیدا کرنے کی تقدیر پر روپیہ کا ضبط ہوجانا بھی صریح اکل باطل ہے (یعنی باطل اور حرام طریقہ ہے) اور یہ تاویل ہرگز قبول نہیں ہوسکتی کہ روپیہ کے بدلہ میں ٹکٹ دیا ہے کیونکہ ٹکٹ یقیناً مبیع نہیں (یعنی اس کو فروخت کرنا مقصود نہیں ہے) ورنہ ٹکٹ خریدنے کے بعد معاملہ ختم ہوجاتا، ٹکٹ فروخت کر کے گھڑی کا استحقاق ہرگز نہ ہوتا، جیسا کہ تمام معاملات میں یہی ہوتا ہے پس صاف ظاہر ہے کہ ٹکٹ کو بیچنا مقصود نہیں ہے، بلکہ روپیہ کی رسید ہے، جب دونوں شرطوں کا فاسد اور باطل ہونا ثابت ہوگیا تو ایسا معاملہ بھی یقیناً حرام ہے جو سود اور جوئے کو شامل ہے، اور کسی طرح اس میں جواز کی گنجائش نہیں۔ (امداد الفتاوی ص: ۱۲۰)

دوسرے ملکوں میں امیدوں پر بھیج کر دھوکہ دینے کا پیشہ

سوال ۳۹۱: دوسرے ملکوں میں بھیجنے کا آج کل بڑا رواج ہے اور ایک ملک

ایسا ہے جہاں چائے کی کاشتکاری ہوتی ہے وہاں ہزاروں مزدور کام کرتے ہیں مزدوروں کو وہاں بھیجنے کے واسطے آدمی مقرر ہیں، یہ لوگ کوشش کر کے مزدوروں کو بڑی بڑی امیدیں دلوا کر اور ذریعہ معاش کا بہترین طریقہ ذہن نشین کرا کر اور خوب آمدنی کی لالچ دلا کر بلکہ سمجھا بتا کر کہ چند دن تم اچھی طرح کام کرو، تو بہت سارا روپیہ اپنے ضروری خرچ سے بچا کر جمع بھی کرلو گے، سیدھے سادے لوگ ان کی باتوں میں آ کر چلے جاتے ہیں وہاں جا کر یہ لوگ آرام راحت کا نام نہیں جانتے، ان سے کام لینے میں وہ سختی برتی جاتی ہے جس کو وہ برداشت نہیں کر سکتے، تکلیفوں سے مجبور ہو کر اپنے ملک واپس آنا چاہیں تو جانے نہیں دیتے۔

دوسرے روزانہ جتنی مزدوری ان سے کہی گئی اتنی نہیں ملتی بلکہ ضروری اخراجات بھی نہیں چلتے، تیسرے کام کی سختی حد سے زائد چوتھے پانچ سال تک اپنے ملک واپس نہیں آ سکتا، ان مصیبتوں کی وجہ سے بہت سے لوگ مر جاتے ہیں، وہ لوگ جو مزدوروں کو بھیجتے ہیں، ان کو وہاں کی اصلی حالت سے واقف نہیں کرتے، اگر ایسا کرتے تو ایک شخص بھی نہ جاتا، اور بھیجنے والوں کو پوری حقیقت معلوم رہتی ہے، لیکن اپنا کام چلانے کے لیے اس کو چھپاتے ہیں۔ مزدوروں کو ہرے بھرے باغ دکھا کر اس طرح جان لیتے ہیں۔ اور مزدور بھیجنے والوں کو ان کی کوشش کے بدلہ میں معاوضہ ملتا ہے، گویا انہوں نے اس طریقہ کو کمائی کا ذریعہ بنا رکھا ہے، اس قسم کی روزی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بالکل حرام ہے مسلمان کو بلکہ غیر مسلم کو بھی دھوکہ دینا حرام ہے، اور ایسے کام کی تنخواہ بھی حرام ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۳/۴۰۱)

نمائش گاہ اور کافروں کے میلوں میں تجارت کے لیے جانا

سوال ۳۴۸: ہندوؤں کے میلوں میں مثلاً میلہ ہردوار یا گنگا تجارت کے

واسطے جانا جائز ہے یا نہیں۔ اور جانے والا گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر کوئی چیز اس میلہ کے سوا کہیں نہ بکتی ہو اس کی خرید و فروخت کے واسطے ضرورت کی وجہ سے جانا جائز ہے، اور بلا ضرورت جانا بہتر نہیں، کیونکہ ایسے مجمعوں میں مغضوبیت کی شان ہوتی ہے، ان میں شریک ہونا غضب الٰہی میں حصہ لینا ہے، اگرچہ اس مجمع والوں کے برابر گناہ نہ ہوگا، مگر گناہ سے خالی نہ رہے گا (اگر شدید ضرورت کے بغیر ہے)۔

صحیح حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے قریب ایک لشکر کعبہ پر چڑھنے کے ارادہ سے چلے گا جب قریب پہنچیں گے سب زمین میں دھنسا دیئے جائیں گے، ازواج مطہرات میں سے بعض بی بی نے عرض کیا یا رسول اللہ اس میں تو بازاری دوکاندار لوگ بھی ہوں گے، جو لڑنے کا ارادہ نہ رکھتے ہوں گے ان کا کیا قصور؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب عام آتا ہے، اس وقت دھنس جائیں گے، پھر قیامت کے روز اپنی اپنی نیت (واعمال) کے موافق اٹھائے جائیں گے۔

پس جب یہ لوگ باوجودیکہ تجارت کی ضرورت کی وجہ سے ان کے ساتھ شامل ہوں گے، اور عذابِ الٰہی سے نہ بچیں گے تو جس کو یہ بھی ضرورت نہ ہو وہ کیوں کر اس غضب اور عذاب سے جو کفار کے مجمع میں نازل ہوتا ہے، محفوظ رہے گا، اللہ حفاظت فرمائے۔ (امداد الفتاویٰ ۴/۲۷۰)

نمائش سے سامان خریدنے کا حکم

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت آج کل نمائش وغیرہ جو ہوتی ہیں ان میں جا کر سامان خریدنے کا کیا حکم ہے؟

فرمایا اس نمائش کی مثال بازار کی سی ہے جو بازار کے احکام ہیں وہی اس کے

احکام ہیں، سو بلاضرورت نہ بازار میں جانا مناسب ہے نہ ان میں۔

عرض کیا گیا کہ ان میں تماشا وغیرہ (مثلاً سرکس، ناچ گانا وغیرہ) بھی ہوتا ہے فرمایا کہ یہ تو بڑے شہروں کے بازاروں میں بھی ہوتا ہے، تو کیا ضرورت کے لیے جانا جائز نہ ہوگا؟ حاصل یہ ہے کہ ضرورت کے لیے جانا جائز ہے اور بلاضرورت جانا بہت برا ہے،، جو حکم بازار کا ہے وہی نمائش کا ہے۔ (افاضات الیومیہ ۷/۳۳۵، دوم)

آلات لہو باجے ٹی وی وغیرہ کی مرمت کرنا درست ہے یا نہیں؟

سوال ۱۸۸: گراموفون باجے (ٹی وی، وی، سی آر وغیرہ آلات) کی مرمت کرنا کیسا ہے اس باجے میں مندرجہ ذیل طریقہ پر مرمت کی جاتی ہے۔ اسپرنگ ٹوٹ جائے تو اسے جوڑ دینا، اسپرنگ لگا دینا، باجے میں کھڑکھڑاہٹ کی آواز پیدا ہو جائے اسے مٹا دینا۔ الغرض کیا آلۂ لہولعب کی مرمت کرنے سے میرا بھی شمار لہو ولعب میں مشغول رہنے والوں کی مدد کرنے میں ہوگا، اور میں گناہ میں شریک ہوں گا؟

الجواب: یہ صورت مختلف فیہ ہے، (امام صاحب کے نزدیک جائز ہے صاحبین کے نزدیک ممنوع ہے) پس جس شخص کو معاش (گذر) کی دوسری وجہ کافی ہوں (یعنی دوسرے ذرائع آمدنی ہوں) اس کو تو ممانعت کے قول پر عمل کرنا چاہئے، اور جس شخص کو دوسری وجہ معاش کافی نہ ہو وہ جواز کے قول پر عمل کرسکتا ہے۔

(امداد الفتاوی ۳/۱۳۹)

آلات لہو اور ہندوؤں کے سامان فروخت کرنے کا حکم

سوال ۱۲۶: (۱) بجنے والی چیزیں مثل گھونگرو تالی اور موسیقی میں استعمال ہونے والی چیزیں مثلاً تار، لوہا، پیتل وغیرہ اور ہندوؤں کے استعمال کی چیزیں مثلاً بندے ستارے وغیرہ کسی مسلمان یا کافر کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) کفار مشرک اگر اپنی عبادت گاہ کی تعمیر کے واسطے یا بتوں کی پرستش کے لیے کوئی چیز کسی مسلمان سے خریدیں یا کسی مسلمان کو اجرت پر رکھیں تو اس چیز کا ان کے ہاتھ فروخت کرنا یا اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اس بارہ میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس چیز کی عین سے معصیت قائم ہو اس کو بیچنا ممنوع ہے اور جس چیز میں تغیر و تبدیلی کے بعد معصیت کا درجہ بنایا جائے اس کو بیچنا جائز ہے، گو خلافِ اولیٰ ہے پس صورت مسئولہ میں گھونگرو ٹالی اور بندے ستارے اور تار وغیرہ جو آلات موسیقی میں کام آئیں ان کا فروخت کرنا جائز ہے گو خلافِ اولیٰ ہے اور اس مسئلہ میں کافر مسلمان کا ایک حکم ہے۔

(امداد الفتاویٰ ۳/۱۱۰)

(خلاصہ یہ کہ) اگر درمیان میں کسی فاعل مختار کا فعل متخلل ہو جائے (یعنی کسی شخص کے عمل کرنے کے بعد معصیت قائم ہوتی ہو معصیت کے پائے جانے میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو دخل ہو) تو اس کی بیع اعانت علی المعصیت نہیں بشرطیکہ اس شے سے نفع اٹھانا حرام نہ ہو البتہ کراہت یعنی خلاف اولیٰ سے خالی نہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ فتویٰ کی رو سے جائز اور تقویٰ کے خلاف ہے۔

اس تقریر کے پیش نظر پھولوں کا بیچنا (ایسے شخص سے جو بتوں پر چڑھاوا کرے گا) جائز معلوم ہوتا ہے۔

جواب: امام صاحب کے نزدیک جائز ہے صاحبین کے نزدیک ممنوع ہے، لہٰذا احتیاط بہتر ہے، اور جو کوئی غریب مبتلا ہو اس پر دار و گیر نہ کرے۔

(امداد الفتاویٰ ۳/۱۱۱)

چھوٹے بچوں کے کھلونوں کی تجارت

سوال: باجہ جو چھوٹے بچے بجاتے ہیں اس کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں،

اسی طرح سیٹی بیچنے کا کیا حکم ہے، نیز پٹاخے جس کو بچے چھوٹے طمنچہ میں رکھ کر چھڑاتے ہیں ان کا کیا حکم ہے، نیز دیا سلائی مہتابی جس کے جلانے سے سرخ اور زرد رنگ نکلتا ہے، جس طرح کہ پھلجھڑی میں ان سب کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ان اشیاء کی خرید وفروخت امام صاحب کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک ناجائز ہے پس خرید وفروخت نہ کرنے میں احتیاط ہے، اور خرید و فروخت کرنا بھی گنجائش رکھتا ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۴/۲۵۶)

مسلمانوں کو غلہ کی بھی تجارت کرنا چاہئے

مسلمانوں کے ہاتھوں سے غلہ کی تجارت بالکل نکل گئی ہے صرف ہندوؤں کے ہاتھ میں رہ گئی ہے اگر آج وہ مسلمانوں کے ہاتھ غلہ بیچنا بند کر دیں تو مسلمان نہایت پریشان ہو جائیں، میرا دل چاہتا ہے کہ میرے شہر اور میرے گاؤں اور قصبہ میں غلہ کی تجارت کرنے والے مسلمان بھی ہونے چاہئیں تاکہ کسی وقت مسلمانوں کو پریشانی لاحق نہ ہو۔ (تعمیم التعلیم، التبلیغ ۲۱/۴۴)

مردار جانور کی چربی کی تجارت

سوال :۱۴۶: چربی کی تجارت کا دستور ہے اور اس میں مرے ہوئے حلال جانوروں کی بھی چربی اور ذبح کئے ہوئے جانوروں کی بھی چربی ملا جلا کر خرید وفروخت کی جاتی ہے، یہ خرید وفروخت جائز ہے یہ نہیں۔ اور فقط مرے ہوئے حلال جانور کی چربی کی تجارت کا کیا حکم ہے جائز ہے یا حرام؟

الجواب: مخلوط (یعنی حلال وحرام اور ذبح غیر ذبح کئے ہوئے جانوروں کی ملی جلی چربی) کا خریدنا اور اس سے نفع اٹھانا کھانے کے علاوہ (دوسری صورتوں میں)

جائز ہے جب کہ خالص حلال کی نہ ملتی ہو لیکن بیچنا جائز نہیں۔

اور اگر حلال جانور کی چربی قصداً نجاست سے خلط کئے بغیر اتفاقاً نجس ہو جائے تو اس کی بیع بھی جائز ہے، اور انتفاع بھی (یعنی کھانے کے علاوہ دیگر صورتوں میں) جائز ہے۔

اور اگر حلال جانور کی چربی بغیر قصد کے نجاست میں مخلوط ہو کر نجس ہو جائے تو اس کی بیع بھی جائز ہے اور غیر اکل (کھانے کے علاوہ دوسری صورتوں) سے نفع اٹھانا بھی جائز ہے۔ (امداد الفتاوی ۱۱۶/۳)

کسی کا حق وصول کرا دینے کی اجرت لینا

ایک صاحب نے پوچھا کہ زید کا کچھ حق خالد پر ہے اور وہ کسی طرح سے وصول نہیں کر سکتا اس لیے اس نے بکر سے جس کا رعب ہے اس سے کہا کہ اگر خالد سے آپ کسی طرح میرا حق وصول کرا دیں تو میں آپ کو سو روپیہ دوں گا، یہ حق الخدمت (محنت کی اجرت) ہے یا جاہ (رعب) کی وجہ سے رشوت میں داخل ہوگا، اور یہ ظاہر ہے کہ معمولی آدمی کا خالد سے وصول کرنا آسان نہیں۔

ارشاد فرمایا اگر بکر کو کچھ مشقت بھی ہوئی ہے (مثلاً وقت خرچ کیا، اس کام کے لیے چل کر گیا) تب تو رشوت نہیں اور اگر صرف جاہ (عہدہ اور رعب) سبب ہے تو رشوت ہے جس کا لینا تو جائز نہیں، مگر مجبور شخص کو دینا جائز ہے۔ (مقالات حکمت ص: ۳۱۸)

جس چیز کو صدقہ یا زکوۃ میں دے دیا ہو اس کو دوبارہ خریدنا مکروہ ہے

جو چیز کسی کو خیرات دو اور وہ اس کو فروخت کرتا ہو تو بہتر ہے کہ تم اس کو اس سے

مت خرید وشاید تمہاری رعایت کرے تو گویا یہ ایک طرح کا صدقہ کو واپس کرنا ہے۔ (تعلیم الدین ص:۲۴)

فقہاء نے زکوٰۃ میں نکالی ہوئی چیز کے خرید نے کو مکروہ لکھا ہے کیونکہ غالبًا وہ مسکین قیمت میں رعایت کرے گا۔ (حسن العزیز ۴/۱۱۵)

ٹکلی کی بیع جس سے سانپ کی تصویر بن کر نکلتی ہے

سوال۱۴۸: ایک ٹکلی تیار کی جاتی ہے اس کو ماچس سے جب جلایا جاتا ہے تو جل کر سانپ کی طرح نکلنا شروع ہو جاتا ہے اور دیکھنے میں وہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سوراخ سے سانپ نکلتا آ رہا ہے حالانکہ وہ جلی ہوئی راکھ ہوتی ہے ایسی ٹکیاں بنا کر بیچنا کیسا ہے؟

الجواب: کیا یہ ٹکلی سانپ بنانے کے علاوہ کسی اور کام میں بھی آ سکتی ہے، اگر ایسا ہے تو اس کا فروخت کرنا جائز ہے، اس کے بعد تصویر بنانے کے کام میں لانا یہ فاعل مختار کا فعل ہے (یعنی خرید کر اس طرح استعمال کرنے والے کا عمل ہے اور وہی اس کا ذمہ دار ہے) سبب کی طرف (یعنی بیچنے اور بنانے والے کی طرف) اس کی نسبت نہ ہوگی، اگرچہ تقویٰ کے خلاف اس صورت میں بھی ہے۔

اور اگر صرف اسی کام میں آتی ہے تو اعانت علی المعصیۃ (یعنی غلط کام میں مدد کرنے) کی وجہ سے اس کا بیچنا منع ہے اور وہ معصیت سانپ کی تصویر بنانا ہے اور تصویر کا سامان کرنا تصویر ہی کے حکم میں ہے، جیسے فوٹو سے تصویر بنانے کا حکم ہے کہ تصویر خود اتر آتی ہے مگر سامان مہیا کرتا ہے فوٹو گرافر۔ (امداد الفتاویٰ ۳/۱۱۷)

حقوق کی بیع درست نہیں

اس کا تذکرہ ہوا کہ جنگی چمار اپنے ٹھکانوں کو بیچتے ہیں اور رہن بھی رکھتے ہیں، فرمایا یہ سب جہالت ہے حقوق کی بیع کے کوئی معنی ہی نہیں حق کوئی متقوم (شریعت میں قیمت والی) چیز نہیں۔

خیر یہ قوم تو جاہل ہے ہی تعجب کی بات یہ ہے کہ جو مذہب کے جاننے والے ہیں وہ بھی یہ غلطی کرتے ہیں مکہ معظّمہ میں بعض مطوف (طواف کرنے والے) حاجیوں کو بیچتے ہیں، دوسرے مطوف نے معقول رقم دی اس نے فروخت کر دیئے گویا حجاج ان کی جاگیر ہیں۔ (حسن العزیز ۲/۱۵۷)

زبردستی کسی شے کا بھاؤ مقرر کرنا حرام ہے

سوال: زمیندار اپنے دباؤ سے قصائیوں وغیرہ کے لیے کوئی نرخ (بھاؤ) مقرر کر دیتے ہیں یہ کیسا ہے؟ فرمایا حرام ہے۔ (حسن العزیز ۴/۱۵۹)

حاکم کو (بھی) اختیار نہیں کہ زبردستی نرخ (یعنی کسی شے کا بھاؤ) مقرر کر دے، البتہ تاجر کو فہمائش اور صلاح دینا مناسب ہے۔ (تعلیم الدین ص: ۳۹)

آمدنی کے بعض مروجہ ناجائز طریقے

آج کل اکثر لوگ آمدنی وخرچ کے طریقوں میں شرعی حدود کا لحاظ نہیں رکھتے، اس زمانہ میں آمدنی کے بہت سے طریقے شریعت کے خلاف شائع ہوگئے ہیں، جو جوے یا ربوٰ (سود) سے خالی نہیں، دیوالی کی رات میں جو جوا کھیلا جاتا ہے اس کو تو (بعض لوگ) برا سمجھتے بھی ہیں لیکن آج کل سٹہ (لاٹری، بینک کا سود، انشورنس وغیرہ)

جو چل رہا ہے اس سے پرہیز نہیں کرتے، اور ان سٹہ والوں میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو نمازی ہیں اور داڑھی لمبی ہے ٹخنوں سے اوپر پاجامہ ہے، ہاتھ میں تسبیح بڑے متقی بنتے ہیں لیکن سٹہ (لاٹری اور سود) سے ان کا تقویٰ نہیں ٹوٹتا۔

یاد رکھو یہ بالکل جوا ہے اسی طرح چٹھیاں جو پڑتی ہیں (پرچیاں نکلتی ہیں یہ بھی جوا ہے، اور اس سے بڑھ کر بیمہ (انشورنس) کا نظام جو نکلا ہے وہ بھی حرام ہے، جس میں جُوا اور سود دونوں کا گناہ ہوتا ہے) اور شادی فنڈ (جو بینکوں میں جمع ہو کر کئی سال بعد سود کے ساتھ ملتا ہے وہ) اور جان بیمہ اور ایک خاص قسم کے ٹکٹ کا سلسلہ (جو رائج ہے) یہ سب حرام اور جُوا ہے اور ان میں سخت دھوکہ بھی ہے، شریعت میں کوئی معاملہ پیچیدہ نہیں ہے اور ان طریقوں میں سخت پیچیدگی اور دھوکہ ہے، (اس لیے شریعت میں اس قسم کے معاملے سب ناجائز ہیں)۔ (الاستغفار ملحقہ راہ نجات ص:۴۶)

معاملات کی گندگی

مسلمانوں کے معاملات (بیع وشراء لین دین) اس قدر گندے ہیں کہ خدا کی پناہ، کوئی ایک آدھا آدمی ایسا ہوگا جو کہ سود سے بچتا ہو، آج کل تو سود بس اس کو سمجھتے ہیں کہ ایک روپیہ دے کر دو روپیہ لے لیا جائے (حالانکہ اس کے علاوہ بھی سود کی بہت سی صورتیں ہیں)۔

یاد رکھو بیع فاسد کی تمام صورتیں سودی اور ناجائز ہیں، اور سیکڑوں مسلمان اس میں مبتلا ہیں۔

آپ خوب سمجھتے اور جانتے ہیں کہ معاملات میں کبھی کوئی شخص علماء سے رجوع نہیں کرتا صرف وکیلوں سے قانونی سوال وجواب کر کے تسلی کر لیتے ہیں۔ اگر آپ نے کبھی کوئی گاؤں (یا باغ وغیرہ) خریدا ہوگا تو اس کا مسودہ کسی وکیل سے تو لکھوالیا ہوگا

مگر کسی عالم سے پوچھنے کی نوبت نہ آئی ہوگی، معاملات میں آج کل حلال وحرام کی کوئی بھی تمیز نہیں کیونکہ اس کو دین سے خارج سمجھ رکھا ہے، صرف نماز روزہ کو دین سمجھ رکھا ہے۔ (القرض ملحقہ تدبیر وتوکل ص: ۳۷۶)

فائدہ: خرید وفروخت اور سود کے مسائل بہشتی زیور۴-۵ میں ملاحظہ فرمالیجئے۔

تاجروں کو تجارت کے مسائل سیکھنا بہت ضروری ہے

جس علم کا حاصل کرنا ہر شخص پر واجب ہے وہ علم معاش نہیں بلکہ علم دین ہے، جس سے انسان کے عقائد معاملات واخلاق درست ہوں۔

(علماء نے) علم دین کی دو مقداریں لکھی ہیں (ایک فرض عین دوسرے فرض کفایہ) مثلاً ضروری عقائد کی تصحیح معاملات ومعاشرات جن سے اکثر سابقہ پڑتا ہے ان کے ضروری احکام معلوم ہوں تجارت معاملات میں کن امور کی رعایت واجب ہے اجرت ٹھہرانے کی کون کون سی صورتیں جائز اور کون کون سی ناجائز ہیں، اگرچہ بدقسمتی سے ناجائز میں مبتلا ہو مگر ناجائز کو ناجائز تو سمجھے گا اور دو جرموں کا تو مرتکب نہ ہوگا ایک تو ناجائز کا ارتکاب دوسرے اس کو جائز سمجھنا۔ (حقوق العلم ص: ۱۰، اصلاح انقلاب ص: ۲۶۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم فرمادیا تھا کہ ہمارے بازار میں صرف وہ لوگ خرید وفروخت کریں (یعنی صرف وہی لوگ تجارت کریں) جو فقیہ ہوں (یعنی معاملات اور تجارت کے شرعی احکام سے واقف ہوں) اس تدبیر سے پورے ملک کو درسگاہ بنادیا تھا کیونکہ خریداروں کو ان ہی سے سابقہ پڑتا تھا، عجیب تدبیر ہے۔

(الافاضات الیومیہ ۷۴۶/۷. جزء دوم)

حضرت عمر نے جو حکم فرمایا تھا کہ بازار میں تجارت کے لیے وہی بیٹھے جو فقیہ ہو (تجارت کے مسائل سے واقف ہو اس کا) مطلب یہ تھا کہ جتنے لوگ اس سے آ کر خریدیں گے وہ سب بھی فقیہ ہو جائیں گے کیونکہ خرید و فروخت کے معاملات ان ہی لوگوں سے پڑیں گے۔

حاکم کا رعایا سے تجارت کرنا

من اخوان الخیانة تجارة الوالی فی رعیته عن رجل۔ (طبرانی کبیر)

ترجمہ: سب سے بڑی خیانت یہ ہے کہ صاحب حکومت اپنی رعیت میں تجارت کرے۔

فائدہ: عزیزی نے اس کو مقید کیا ہے اس چیز کے ساتھ جس کی حاجت عام ہو کیونکہ اور لوگ اس کی تجارت کرتے ہوئے ڈریں گے اور اس سے عام لوگوں پر اس چیز میں تنگی ہوگی۔

اور حفنی نے اس کو عام کہا ہے کہ اس سے معاملہ کرتے ہوئے لوگوں کو دبنا پڑے گا اور اس سے تنگی ہوگی، نیز اس میں ایک خود غرضی کی بھی صورت ہے کہ اگر ایسی تجارت کے متعلق کوئی قانون مقرر کیا جائے خواہ اس میں رعایا کی کیسی ہی مصلحت ہو مگر عام طور سے یہی شبہ ہوگا کہ اپنے نفع کے لیے ایسا کیا گیا ہے۔

(التشرف بمعرفہ احادیث التصوف ص: ۴۳۳، کمالات اشرفیہ ص: ۳۸۴)

تنبیہ: حاکم کو اختیار نہیں کہ زبردستی نرخ (یعنی اشیاء کا بھاؤ) مقرر کرے۔ البتہ تاجر کو فہمائش اور صلاح دینا مناسب ہے۔

(تعلیم الدین ملحقہ اصلاحی نصاب ص: ۲۶۷)

فصل

معاملات، معیشت، بیع وشراء اور قرض سے متعلق چند ضروری ہدایات وآداب اور اہم مسائل

معاملہ: (۱) سب سے بہتر کسب (کمائی) دستکاری ہے۔ انبیاء علیہم السلام نے دستکاری کی ہے۔

معاملہ: (۲) زانیہ کی خرچی (یعنی اجرت) اور جھوٹے تعویذ گنڈے اور فال کھلائی وغیرہ کا نذرانہ سب حرام ہے۔ آج کل کے پیرزادے ان دونوں بلاؤں میں مبتلا ہیں، رنڈیوں سے خوب نذرانے لیتے ہیں، اور خود واہی تباہی تعویذ گنڈے کرتے ہیں، فال کھولتے ہیں اور لوگوں کو ٹھگتے ہیں۔

معاملہ: (۳) مانگنے کا پیشہ سب سے بدتر اور ذلیل اور گناہ ہے اس سے تو گھاس کھودنا اور لکڑی کاٹ کر بیچنا ہزار درجہ بہتر ہے۔

معاملہ: (۴) اگر ایسی ہی سخت مصیبت پڑ جاوے اور بدون مانگے کسی طرح بن ہی نہ پڑے تو لاچاری کی بات ہے، اس میں بھی بہتر یہ ہے کہ ایسے لوگوں سے مانگے جو نیک بخت دیندار، عالی ہمت، بلند حوصلہ، ذی استطاعت ہوں کہ پھر کسی قدر کم ذلت ہے۔

معاملہ: (۵) اگر بدون حرص وطلب کہیں سے کچھ ملے اس کے لینے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ اس میں سے کھائے کھلائے، اللہ واسطے بھی دے۔

معاملہ: (۶) جو چیز شرع میں حرام ہے اس میں ایر پھیر کر کے حیلہ وتاویل مت کرو۔ اللہ تعالیٰ دل کو دیکھتا ہے۔

معاملہ: (۷) مفت خوری سے یہ بہتر ہے کہ عالی ہمتی سے کمائے اور دوسروں کی خدمت کرے البتہ جو لوگ خدمت دین میں مشغول ہیں کہ اگر طریق معیشت کو اختیار کریں تو دینی کام برباد ہو جاوے ایسے لوگوں کو ترک اسباب جائز بلکہ بعض اوقات اولیٰ ہے، ان کی خدمت عام مسلمانوں کے ذمہ ہے۔

معاملہ: (۸) جس چیز میں طبیعت صاف نہ ہو دل کھٹکتا ہو وہ چھوڑ دینے کے قابل ہے۔

معاملہ: (۹) جس پیشے میں ہر وقت نجاسات کے ساتھ تلوّث رہتا ہو جیسے بھنگی کا کام کرنا، پچھنے لگانا، (جیسے آج کل پیشاب، خون وغیرہ کی جانچ کرنے کا پیشہ، واللہ اعلم) ایسے پیشے اور کمائی سے بچنا بہتر ہے۔

معاملہ: (۱۰) جو چیز گناہ کا آلہ بنائی جائے اس کو مت بیچو۔

معاملہ: (۱۱) ہمارے زمانے میں روپیہ پیسہ بڑے کام کی چیز ہے اس کی قدر کرنا چاہئے اور حلال سے کمانے میں عار نہ کرے۔ گو عرف میں نام دھرا جاوے۔

معاملہ: (۱۲) جس طریقے سے آدمی کی بسر ہوتی ہو بلا ضرورت شدیدہ اس کو چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار نہ کرے۔

معاملہ: (۱۳) خرید و فروخت اور اپنے حق کے مطالبہ کے قوت نرمی برتے، تنگ گیری اچھی نہیں۔

معاملہ: (۱۴) سودا بیچنے کے لیے بہت قسمیں مت کھاؤ، اس میں ایک آدھ جھوٹ بھی نکل جاتا ہے، پھر برکت مٹ جاتی ہے۔

معاملہ: (۱۵) تجارت بہت عمدہ چیز ہے امانت و راستی (سچ بولنا) اس کا جزو اعظم ہے اس سے دنیا میں اعتبار ہوتا ہے اور آخرت میں انبیاء و صدیقین و شہداء کی ہمراہی نصیب ہوتی ہے۔

معاملہ: (۱۶) معمول رکھو کہ منافع تجارت سے کچھ خیر خیرات نکالتے رہا کرو،

تجارت میں بعض باتیں نامناسب ہوہی جاتی ہیں، خیر خیرات سے کسی قدر اس کے وبال میں تخفیف ہوجاتی ہے۔

معاملہ: (۱۷) اگر تمہارے سامان میں یا داموں (یعنی روپے پیسے میں) میں کچھ عیب ہو تو ہرگز اس کو پوشیدہ مت کرو، صاف کہہ دو، اس کے چھپانے سے برکت مٹ جاتی ہے۔

معاملہ: (۱۸) سود کا لین دین، تحریر، گواہی کچھ مت کرو، سب پر لعنت آئی ہے۔

معاملہ: (۱۹) جو چیزیں کہ ناپ تول کر بکتی ہیں اور وہ ایک طرح کی ہیں جیسے گیہوں سے گیہوں اس کے مبادلے میں دو باتیں ضروری ہیں ایک یہ کہ برابر سرابر ہو، اگرچہ اعلیٰ ادنیٰ کا (یعنی اچھے خراب کا اور قیمت کا) فرق ہو۔ دوسرے یہ کہ دست بدست (یعنی دونوں طرف سے نقد ہو، ادھار نہ ہو) ہو اگر ایک امر میں بھی خلاف ہوا تو سود ہوجائے گا۔

اور اگر ناپ تول کر بکتی ہیں مگر جنس الگ الگ ہے جیسے گیہوں اور جَو، اس میں برابر سرابر ہونا ضروری نہیں مگر دست بدست (یعنی نقد اور ہاتھ در ہاتھ) ہونا ضروری ہے۔

اور اگر جنس تو ایک ہے مگر ناپ تول کر نہیں بکتی جیسے بکری سے بکری، تب بھی برابر سرابر ہونا ضروری نہیں، مگر دست بدست (یعنی دونوں طرف سے نقد) ہونا ضروری ہے۔

اور اگر نہ جنس ایک ہے نہ ناپ تول کر بکتے ہیں جیسے گھوڑا اور اونٹ، اس وقت نہ برابر سرابر ہونا ضروری ہے نہ دست بدست ہونا ضروری ہے یہ فقہ حنفی کے موافق سود کی تفصیل ہے۔

فَـرَعٌ: آج کل جو زیور خریدا یا بنوایا جاتا ہے اس میں اکثر بوجہ تفاوت نرخ کے برابر

سرابر بھی نہیں لیا جاتا، اور اکثر ادھار بھی رہ جاتا ہے، یہ بالکل سود ہے ایسی صورت میں جس طرف چاندی کم ہے اس میں کچھ پیسے بھی ملائے جاویں، چاندی چاندی برابر ہوجائے گی، زائد چاندی کے عوض میں پیسے ہوجاویں گے، اور ادھار کی اگر ضرورت ہو تو صاحب معاملہ ہی سے جداگانہ قرض لے کر اس معاملہ کو طے کرلیں پھر اس کا قرض بعد میں ادا کریں۔

فرع: اکثر ایسا کرتے ہیں کہ روپیہ دے کر آٹھ آنے پیسے اب لے لئے اور آٹھ آنے ایک گھنٹے کے بعد لے لئے، یہ بھی جائز نہیں۔ اگر ایسی ہی ضرورت ہو تو روپیہ امانۃً اس کے پاس رکھادیں، جب اس کے پاس پورے پیسے آجاویں تب یہ معاملہ مبادلے کا کریں۔

معاملہ: (۲۰) اگر تم خراب گیہوں کے عوض میں اچھے گیہوں لینا چاہتے ہو اور دوسرا شخص برابر سرابر نہیں دیتا تو یوں کرو کہ اپنے گیہوں ایک روپیہ کو مثلاً اس کے ہاتھ بیچ ڈالو، پھر جتنے گیہوں وہ تم کو دے وہ اس روپئے کے عوض میں جو اس کے ذمہ تمہارا قرض ہے اس سے خریدلو۔

معاملہ: (۲۱) اگر چاندی یا سونے کا جڑاؤ زیور یا جس میں اور کوئی چیز ملی ہو چاندی یا سونے کے بدلے میں یعنی چاندی کا زیور چاندی کے بدلے اور سونے کا زیور سونے کے بدلے خریدنا یا بیچنا چاہو تو یہ مبادلہ اس وقت ہے جب زیور میں چاندی یا سونا یقیناً کم ہو اور داموں کی چاندی یا سونا زائد ہو اگر برابر یا زائد ہونے کا گمان ہو تو درست نہیں۔

معاملہ: (۲۲) اگر کوئی شخص تمہارا مقروض ہو اور اسی حالت میں وہ تم کو ہدیہ دے یا دعوت کرے اگر پہلے سے یہ راہ و رسم باہمی جاری نہ ہو تو ہرگز قبول مت کرو، اسی

سے رہن کی آمدنی کا حال معلوم کرو، کیونکہ راہن تمہارا قرض دار ہے اور قرض کے دباؤ میں تم کو نفع اٹھانے کی اجازت دیتا ہے، تو وہ کس طرح حلال ہوگا۔

معاملہ: (۲۳) بعض لوگ کوئی خاص چیز ایک معین مقدار روپیہ سے خرید کرتے ہیں اور جب قیمت نہیں بن پڑتی تو اس چیز کو اسی بائع کے ہاتھ کچھ کم قیمت میں بیچ ڈالتے ہیں۔ سو چونکہ بائع کو اس بچت کا کوئی حق نہیں۔ اس لیے یہ داخل سود ہو کر ممنوع ہوگیا، البتہ اگر ایسی ضرورت پیش آوے تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ اصل بائع تھوڑی دیر کے لیے مشتری کو بقدر قیمت قرار داد سابق روپیہ بطور قرض دے دے، اور مشتری اس روپیہ کو اصل قیمت میں ادا کردے، اس کے بعد وہ چیز کم قیمت میں بائع کے ہاتھ بیچ ڈالے اور جو باقی رہے وہ اس کے ذمہ قرض رہے گا، مثلاً دس روپیہ کی تم نے ایک گھڑی خریدی اور جب روپئے کا بندوبست نہ ہوسکا تو اسی بائع کے ہاتھ فرض کرو کہ آٹھ روپیہ میں بیچ ڈالی، یہ معاملہ سود اور ناجائز ہے۔ ضرورت پڑے تو یوں کرو کہ دس روپئے بائع سے قرض لے کر پہلے گھڑی کی قیمت ادا کردو، اب وہ گھڑی اس کے ہاتھ جتنی کمی پر چاہو بیچو۔ جتنے کو بائع نے خریدا اتنا قرض تو ابھی ادا ہوگیا، اور باقی تمہارے ذمے رہا۔

معاملہ: (۲۴) جب تک پھل کام میں آنے کے لائق نہ ہوں اس کا خریدنا بیچنا ممنوع ہے، کیونکہ معلوم نہیں پھل رہے یا جاتا رہے۔

معاملہ: (۲۵) صرف بیجک (مثلاً رسید) آنے پر مال فروخت مت کرو، جب تک تمہارے قبضے میں نہ آجاوے اور جب بائع کے قبضے میں آجاوے تو بیجک دیکھ کر مشتری کو خریدنا درست ہے، مگر جب مال کو دیکھے اس وقت اختیار

ہے خواہ معاملہ رکھے یا انکار کردے۔

معاملہ: (۲۶) بنجارہ کچھ غلہ لایا اس کو شہر میں آنے دو، اس وقت خرید کرو، شہر سے باہر ہی باہر جا کر معاملہ کر لینا اچھا نہیں، اس میں کبھی تو اس کو دھوکہ دیا جاتا ہے کہ شہر میں اس بھاؤ کو فروخت نہ ہوگا اور شہر والوں کا بھی اس میں نقصان ہے کہ سب اس کے محتاج ہوگئے (اب وہ) جتنے کو چاہے فروخت کرے۔

اور ایک آدمی اگر سودا چکاتا ہو اور ابھی بائع نے اس کو نامنظور نہیں کیا، بلکہ منظوری کا احتمال غالب ہے۔ تو تم جا کر اس کے سودے کو خراب کر کے خود مت لینے لگو، البتہ جب وہ صاف انکار کردے اس وقت خریدنے میں مضائقہ نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ نیلام میں کسی کی بولی پر بولی بولنا کچھ ڈر نہیں کیونکہ خود بائع نے ابھی اس بولی کو منظور نہیں کیا، اور کسی کو دھوکہ دینے کی غرض سے چیز کے دام مت بڑھادو کہ دوسرا آدمی اور زیادہ بولی بول دے، اور وہ چیز اس کے گلے پڑ جائے۔

اور کوئی دیہاتی اپنی چیز شہر میں فروخت کرنے آوے سو خواہ مخواہ خیر خواہی جتلانے کو اس کو بیچنے سے مت روکو کہ میاں ہمارے پاس رکھ جاؤ، ہم موقع پر گراں قیمت سے بیچ دیں گے بلکہ اس کو بیچنے دو، شہر والوں کو کسی قدر کفایت سے مل جاوے گی، البتہ اگر اس کا صریح نقصان ہوتا ہو تو مضائقہ نہیں۔

اگر گائے بکری بیچنا ہو خریدار کو دھوکہ دینے کی غرض سے ایسا مت کرو کہ کئی وقت دودھ نہ نکالو تاکہ تھن کو دودھ سے بھرا دیکھ کر خریدار دھوکہ میں آجاوے، اور زیادہ دام میں خرید کر بعد میں پچھتاوے۔

معاملہ: (۲۷) خودرو گھاس کا بیچنا درست نہیں اگرچہ تمہاری مملوکہ زمین میں کھڑی ہو اسی طرح پانی۔

معاملہ: (۲۸) کوئی ایسی کارروائی مت کرو جس سے خریدار کو دھوکہ ہو۔

معاملہ: (۲۹) اگر کوئی مصیبت زدہ اپنی ضرورت کی وجہ سے کوئی چیز بیچتا ہو تو اس کو صاحبِ ضرورت سمجھ کر مت دباؤ اور اس چیز کے دام مت گراؤ یا تو اس کی اعانت کرو یا مناسب قیمت سے اس کو خرید لو۔

معاملہ: (۳۰) جو چیز تمہارے ملک اور قبضے میں نہ ہو اس کا معاملہ کسی سے مت ٹھہراؤ اس امید پر کہ ہم بازار سے خرید کر اس کو دے دیں گے۔

معاملہ: (۳۱) رہن (گروی) میں یہ شرط ٹھہرانا کہ اگر اتنی مدت تک زرِ رہن ادا نہ ہو تو اسی کو بیع سمجھا جاوے باطل ہے اور مدت گذرنے پر بیع نہ ہوگی۔

معاملہ: (۳۲) ناپ تول میں دغابازی مت کرو۔

معاملہ: (۳۳) اگر کوئی چیز بطور بدھنی کے خریدی (جس کو بیع سَلَم کہتے ہیں) اور فصل پر بائع سے وہ چیز نہ بن پڑی تو جتنا روپیہ اس کو دیا تھا واپس لے لو نہ زیادہ روپیہ لینا درست ہے اور نہ اس روپیہ کے بدلے اور کوئی چیز خریدنا درست ہے البتہ اپنا روپیہ لے کر پھر اس سے جو چاہو خرید لو۔

معاملہ: (۳۴) غلہ ارزاں خرید کر گراں بیچنا درست ہے مگر جب مخلوق کو تکلیف ہونے لگے اس وقت زیادہ گرانی کا انتظار کرنا حرام اور موجب لعنت ہے۔

معاملہ: (۳۵) حاکم کو اختیار نہیں ہے کہ زبردستی نرخ مقرر کرے البتہ تاجر کو فہمائش اور صلاح دینا مناسب ہے۔

معاملہ: (۳۶) اگر تمہارا قرض دار غریب ہو، اس کو پریشان مت کرو، بلکہ مہلت دو، یا جزو یا کل معاف کردو۔ اللہ تعالیٰ تم کو قیامت کی سختی سے نجات دیں گے۔

معاملہ: (۳۷) تم کسی کے قرض دار ہو تو خراب چیز سے اس کا حق مت ادا کرو، بلکہ اس کی ہمت رکھو کہ اس کے حق سے بہتر اس کو ادا کیا جائے مگر معاملہ کے

وقت یہ معاہدہ جائز نہیں (کہ تم کو اچھا یا زیادہ دینا پڑے گا، کیونکہ یہ تو سود ہو جائے گا)۔

معاملہ: (۳۸) اگر تمہارے پاس دینے کے واسطے ہے اس وقت ٹالنا بڑا ظلم ہے۔

معاملہ: (۳۹) اگر تمہارا مقروض تم کو دوسرے سے دلائے اور اس سے تم کو وصول ہونے کی بھی امید ہو تو خواہ مخواہ ضد میں آ کر اسی کو دق مت کئے جاؤ، بلکہ اس حوالہ کو منظور کر لو۔

معاملہ: (۴۰) حتی الامکان کسی کے مدیون (مقروض) مت بنو۔ اور اگر بضرورت مدیون ہونا پڑے تو اس کے ادا کی فکر رکھو، بے پروا مت بن جاؤ اور اگر دائن (حق والا) تم کو کچھ کہے سنے، صبر کرو، اس کا حق ہے۔

معاملہ: (۴۱) اگر تم کو وسعت ہو تو کسی مدیون (مقروض) کی طرف سے اس کا دین ادا کر دیا کرو۔

معاملہ: (۴۲) سودا جُھکتا تول کر دیا کرو۔

معاملہ: (۴۳) جب کسی کا قرض ادا کیا کرو تو ادا کرنے کے ساتھ اس کو دعا بھی دیا کرو، اور اس کا شکریہ ادا کرو ورنہ پھر برکت سلب (یعنی ختم) ہونے لگتی ہے۔

معاملہ: (۴۴) شرکت میں دونوں ساجھیوں کو امانت دیانت سے رہنا چاہئے ورنہ پھر برکت سلب ہونے لگتی ہے۔

معاملہ: (۴۵) امانت میں ہرگز خیانت مت کرو۔

معاملہ: (۴۶) جو مال ظلم سے، دباؤ سے، کسی کی وجاہت کے لحاظ سے، کسی کی شرما شرمی سے وصول ہو، وہ حلال نہیں۔

اے چندہ جمع کرنے والو! ذرا اس کو اچھی طرح غور کر لیجیو، حلال وہی مال ہے جو بالکل

طیب خاطر (یعنی دلی اجازت) سے دیا جائے۔

معاملہ: (۴۷) ہنسی ہنسی میں کسی کی چیز اٹھا کر چیز والے کو پریشان مت کرو، خصوصاً جب کہ یہ نیت ہو کہ اگر معلوم ہو گیا تو ہنسی ہے ورنہ خورد برد کریں گے، اور جو ہنسی میں اٹھائی تو جلدی واپس کر دو۔

معاملہ: (۴۸) پڑوسی کی رعایت کیا کرو، خفیف باتوں میں اس سے مزاحمت مت کرو، مثلاً تمہاری دیوار میں میخ گاڑنے لگے اور تمہارا کوئی نقصان بھی نہ ہو تو اجازت دے دو۔

معاملہ: (۴۹) اگر کوئی گھر یا زمین بے میل ہونے کی وجہ سے فروخت کرو تو مصلحت یہ ہے کہ جلدی سے اس کا دوسرا مکان یا زمین خرید کر لو، ورنہ روپیہ رہنا مشکل ہے یوں ہی اڑ جائے گا۔

معاملہ: (۵۰) جس درخت کے سائے میں آدمیوں کو، جانوروں کو آرام ملتا ہو اور وہ تمہارے ملک میں بھی نہیں ہے تو اس کو مت کاٹو کہ جانداروں کو تکلیف ہوگی۔ اس سے عذاب ہوتا ہے۔

معاملہ: (۵۱) بکریاں چرانا پیغمبروں کا طریقہ ہے۔

معاملہ: (۵۲) مزدور سے کام لے کر اس کی مزدوری دینے میں کوتاہی مت کرو، اس مقدمے میں سرکار عالی مدعی ہوں گے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)۔

معاملہ: (۵۳) عہد کے خلاف مت کرو خصوصاً جب کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے نام کا واسطہ ہو، اس مقدمہ میں بھی سرکار عالی (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن) مدّعی ہوں گے۔

معاملہ: (۵۴) اکثر ایام قحط میں بعض لوگ اپنی اولاد کو یا بعض ظالم دوسروں کے بچوں کو بیچ ڈالتے ہیں ان کا بیچنا یا خرید کر غلام سمجھنا سب حرام ہے، اس

مقدمے میں بھی سرکار عالی (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے روز) مدعی ہوں گے۔

معاملہ: (۵۵) جو جھاڑ پھونک شرع کے موافق ہو اس پر کچھ نذرانہ لینا جائز ہے۔

معاملہ: (۵۶) اگر کھانا پکانے کو کسی کو آگ دے دے تو ایسا ثواب ہے جیسا کہ وہ کھانا دے دیا جو اس آگ سے پکا ہے۔ اسی طرح نمک دے دینے کا ثواب ہے۔

معاملہ: (۵۷) جہاں پانی بکثرت میسر ہو وہاں کسی کو پلانے سے غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ہے۔ اور جہاں بکثرت میسّر نہیں وہاں پلانے سے ایسا ثواب ملتا ہے جیسا کہ کسی مُردے کو زندہ کر دیا۔

معاملہ: (۵۸) اگر کسی کو کوئی چیز یہ کہہ کر دے کہ تم کو عمر بھر کے لیے دیتے ہیں اور بعد تمہارے مرنے کے واپس کر لیں گے، وہ شے بہمہ وجوہ (یعنی پورے طور پر) اُس کی ملک ہو جاتی ہے، بعد موت کے اس کے ورثہ کو ملے گی، تو اس اُمید باطل پر اپنے مال کو خراب و برباد مت کرو پھر حسرت ہوگی اپنے ہی پاس رہنے دو۔

معاملہ: (۵۹) اگر ایک بیٹے کو کوئی چیز دو تو دوسرے کو بھی ویسی ہی دو، ناانصافی بری بات ہے۔

معاملہ: (۶۰) ہدیہ ایسے شخص کا قبول کرو جو بدلے کا طالب نہ ہو ورنہ باہمی رنج کی نوبت آئے گی، لیکن تم اپنی طرف سے کوشش کرو کہ اس کو کچھ بدلہ دیا جائے اور اگر بدلہ دینے کو میسّر نہ ہو تو اس کی ثناء وصفت ہی کر دو۔ اور لوگوں کے رو برو اس کے احسان کو ظاہر کر دو، اور ثناء وصفت کے لیے اتنا کہہ دینا کافی ہے ''جَزَاکَ اللّٰہُ خَیْراً'' اور جب محسن کا شکر ادا نہ کیا تو خدا تعالیٰ کا شکر بھی ادا نہ ہوگا۔ اور جس طرح ملی ہوئی چیز کا مٹانا بُرا ہے اسی طرح نہ ملی ہوئی پر شیخی

بگھارنا کہ ہمارے پاس اتنا اتنا آیا یہ بھی بُرا ہے۔

معاملہ: (٦١) باہم تحفہ تحائف کی راہ ورسم جاری رکھو، اس سے دلوں کی صفائی ہوتی ہے، محبت بڑھتی ہے اور یہ نہ خیال کرو کہ تھوڑی چیز ہے کیا بھیجیں جو کچھ ہو بے تکلف دو اور لو۔

معاملہ: (٦٢) جو کوئی تمہاری خاطر داری کو خوشبو تیل یا دودھ یا تکیہ پیش کرے کہ خوشبو سونگھ لو، یا تیل لگا لو، دودھ پی لو، تو یہ قبول کرلو، انکار و عذر مت کرو، کیونکہ ان چیزوں میں کوئی لمبا چوڑا احسان نہیں ہوتا، جس چیز کا بار تم سے نہیں اٹھ سکتا اور دوسرے کا دل خوش ہو جاتا ہے۔

معاملہ: (٦٣) نیا پھل جب تمہارے پاس پہنچے اس کو آنکھوں اور لبوں سے لگا لو اور یہ دعا پڑھو، ''**اَللّٰهُمَّ كَمَا اَرَيْتَنَا اَوَّلَهٗ فَاَرِنَا اٰخِرَهٗ**'' پھر کوئی بچہ پاس ہو اس کو دے دو۔

معاملہ: (٦٤) اگر تمہارے ذمہ کسی کا قرضہ یا کسی کی امانت یا اور کوئی حق ہو تو اس کی یادداشت بطور وصیت کے لکھ کر اپنے پاس رکھو۔

(تعلیم الدین ص: ٧٠ تا ٨٥)

فائدہ: یہ تمام باتیں احادیث مبارکہ سے ثابت ہیں۔ (مرتب)

باب ٦

برکت کا بیان

کس کاروبار میں برکت ہوتی ہے کس میں نہیں

حکیم بن حزام سے روایت ہے کہ اگر بائع ومشتری (یعنی بیچنے اور خریدنے والے) سچ بولیں اور اپنے اپنے مال کے عیب وصواب کو ظاہر کردیں تو ان کے لیے بیع میں برکت ہوتی ہے اور اگر عیب کو چھپائیں تجارت میں جھوٹ بولیں تو ان دونوں کے معاملہ کی برکت اٹھادی جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سچا امانت دار انبیاء اور صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

فائدہ: (تجارت کرنے والوں کو چاہئے کہ) معاملہ میں سچائی اور امانت داری کا لحاظ رکھیں، دھوکہ فریب نہ کریں، ورنہ اس میں برکت نہیں ہوتی۔

کبھی دوسروں کی برکت سے تجارت میں برکت ہوتی ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو بھائی تھے ان میں سے ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اور دوسرا کوئی پیشہ کیا کرتا تھا پس کمانے والے نے اپنے بھائی کی شکایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کی کہ یہ کچھ کماتا نہیں ہے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ شاید تجھ کو اسی کی (برکت) کی وجہ سے رزق دیا جاتا ہے۔

(ترمذی، خطبات الاحکام)

برکت کی حقیقت

برکت کے یہ معنی نہیں کہ کم چیز مقدار میں بڑھ جاتی ہے کہ بازار سے تو ایک من گیہوں لائے اور گھر پر آ کر دو من اترے گو ممکن تو ایسا بھی ہے چنانچہ ایک صاحب خیر نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ مسجد بنوار ہے ہیں اور ایک تھیلی میں روپے رکھے اور کام شروع کیا جب ضرورت ہوتی اس میں سے ہاتھ ڈال کر نکال لیتے، یہاں تک کہ سب کام بن گیا حساب جب لگایا تو جتنا روپیہ تھا اس سے کم نہیں ہوا، تو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے مگر ہمیشہ ضروری نہیں (بلکہ ایسا بہت کم اور خاص حالت میں خاص بندوں کے ساتھ ہوتا ہے)۔

برکت کے معنی کچھ اور ہیں اور وہی اکثر ہوتے ہیں وہ یہ کہ تھوڑی مقدار تمہارے ہی کام میں آئے، بیماری میں خرچ نہ ہو، اور ایسے ہی فضول خرچوں میں (مثلاً) مقدمات میں اور دوسرے تکلفات میں ضائع نہ ہو، جو کچھ آئے تمہاری ذات پر صرف ہو چاہے تھوڑا ہو یہ اس سے بہتر ہے کہ زیادہ آئے اور تم پر خرچ نہ ہو۔

(تطہیر رمضان، ملحقہ فضائل صوم وصلوۃ ص: ۳۹۹)

(لیکن) لوگ برکت کی حقیقت یہ سمجھتے ہیں کہ تھوڑا روپیہ بہت سا ہو جائے حالانکہ یہ اس کی حقیقت نہیں بلکہ یہ بات ہے کہ ہر چیز ایک خاص کام کے لیے موضوع ہوتی ہے اس کام میں آنا تو برکت ہے اور اگر اس کام میں نہ آئے تو بے برکتی ہے مثلاً روپیہ اس واسطے ہے کہ اس کے ذریعہ سے کھائیں پئیں، دنیا کی راحت حاصل ہو تو اگر وہ کھانے پہننے کے کام آئے اور اپنے تن کو لگے تو برکت ہے، اور اگر اس کام میں نہ لگے بلکہ فضول اڑ جائے تو بے برکتی ہے)۔

ناجائز طریقہ سے حاصل کیا ہوا مال اکثر اپنے تن پر صرف نہیں ہوتا کہیں ڈاکٹروں

کی فیس میں خرچ ہوتا ہے کہیں یار دوست کھا جاتے ہیں اپنے تن کو کچھ بھی نہیں لگتا۔

(التبلیغ احکام المال ۳۸/۱۵)

حلال کمائی میں بھی اگر برکت محسوس نہ ہو

میں کہتا ہوں نہ ہو برکت مگر خود اللہ میاں کی رضامندی ہی دنیا اور دنیا کی سب چیزوں سے بہتر ہے، اللہ میاں مل جائیں پھر کیا حقیقت ہے کسی چیز کی، مال و دولت کے مقابلہ میں کیا اللہ میاں کی کچھ وقعت نہیں سمجھتے ہو؟

دنیا کے حاکموں کی صرف خوشنودی کے واسطے کتنے کتنے سفر اور کیا کیا کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے اور پھر ان کی خوشنودی دیرپا نہیں ہوتی، ذرا سی بات پر بگڑ گئے اور اللہ میاں فرماتے ہیں کہ ہم شکور (قدرداں) ہیں ایک بادشاہ کے سامنے کوئی چیز لی جائے اور اس کے متعلق منظور یا نامنظوری کچھ ظاہر نہ کرے مگر اس میں کوئی عیب نہ نکالے اور خازن کو حکم دے کہ رکھ لے تو لے جانے والے کے دماغ آسمان پر پہنچ جائیں گے اور سناتا پھرے گا کہ بادشاہ نے ہمارا ہدیہ رکھ لیا، اور اللہ میاں کے یہاں ہم لوگ اپنے اعمال لے جاتے ہیں (اور وہ قبول فرمالیتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ شکور قدرداں ہیں کیا یہ خوشی کی بات نہیں ہے؟ (تطہیر رمضان فضائل صوم وصلوۃ ص: ۴۰۰)

اللہ کا دیا ہوا تھوڑا رزق بھی قابل قدر ہے

محبت کا خاصہ یہ ہے کہ محبوب کے ادنیٰ احسان کی محبّ کی نظر میں بڑی قدر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے احسانات تو سب سے اعلیٰ و اعظم (یعنی بڑھے ہوئے) ہی ہیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ کے بندوں کو اگر کوئی ایک پیسہ بھی محبت سے دے تو انہیں اس قدر حظ ہوگا جو روپے پیسے کے پرستاروں کو سو روپے میں بھی نہ ہوگا۔

ایک پیسہ کی قدر کسی سے محبت ہوتو جانو، فرض کرو کہ ایک شخص آیا اس نے آ کر ایک پیسہ دیا کہ یہ تمہاری محبوبہ نے دیا ہے، تو کس قدر خوش ہوگا۔ ایک پیسہ تو کوئی بڑی چیز نہیں وہ خوش اس بات سے ہوگا کہ مجھے یاد تو کیا اور بڑی وفادار اور بے تکلف ہے کہ ایک پیسہ بھیجنے سے شرمائی نہیں، تو جو اللہ والے ہیں انہیں اسی بات کا حظ ہوتا ہے کہ محبوب کا بھیجا ہوا ہے اگرچہ ایک پیسہ ہے۔

(روح الافطار ملحقہ برکات رمضان ص: ۲۲۰)

صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ خیرات دینا مال کو کم نہیں ہونے دیتا (اور اس کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں، خواہ آمدنی بڑھ جائے یا برکت بڑھ جائے، یا ثواب بڑھتا رہے)۔ (حیوۃ المسلمین ص: ۲۳۱)

صاحبو! صدقہ خیرات سے مال کم نہیں ہوتا، اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کنواں کہ اگر اس میں سے پانی نکلتا رہے بھرائی ہوتی رہے تو پانی کی آمد ہوتی رہتی ہے اور اگر بھرائی نہ ہو تو کچھ دنوں کے بعد سوت (چشمہ) بند ہو جاتا ہے۔ اور کنواں سوکھ جاتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے مَا نَقَصَ الْمَالُ مِن صَدَقَةٍ قَطُّ یعنی صدقہ سے مال کبھی کم نہیں ہوتا۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ دس روپیہ سے اگر دو روپیہ دے دو تو وہ آٹھ نہ رہیں گے دس ہی رہیں گے، یا اسی وقت بیس ہو جائیں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ مال چوری سے اور دوسری آفتوں سے محفوظ ہو جاتا ہے، یہ کیا تھوڑی بات ہے؟ اور اگر کچھ بھی نہ ہوتا تو مسلمان کے لیے یہ کیا کم ہے کہ صدقہ سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے، اس

کو صدقہ خیرات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی طلب کرنا چاہئے، دنیاوی حاکموں کے لیے لوگ کتنا خرچ کرتے ہیں پھر خدا کے لیے خرچ کرنا کیوں مشکل ہے۔

(وعظ العشر ملحقہ حقوق وفرائض ص:۵۸۲)

زکوٰۃ ادا کرنے سے مال کی کمی کا شبہ اور اس کا جواب

اگر مالدار لوگ زکوٰۃ دینے میں اس وجہ سے کوتاہی کرتے ہیں کہ وہ ڈرتے ہیں کہ زکوٰۃ دینے سے روپیہ کم ہو جائے گا۔

سو اول تو اس کا تجربہ ہو چکا ہے کہ زکوٰۃ وصدقہ دینے سے مال کبھی کم نہیں ہوتا، اس وقت اگر کسی قدر نکل جاتا ہے تو کسی موقعہ پر اس سے زیادہ اس میں آ جاتا ہے، حدیث شریف میں بھی یہ مضمون موجود ہے۔

دوسرے اگر بالفرض کم ہی ہو گیا تو کیا ہے؟ آخر اپنی نفسانی لذتوں میں ہزاروں روپیہ خرچ کر ڈالتے ہیں وہ بھی تو کم ہوتا ہے، سرکاری ٹیکس اور محصول میں بھی تو بہت کچھ دینا پڑتا ہے، اور اگر نہ دو تو باغی اور مجرم قرار دیئے جاؤ، آخر اس میں بھی تو گھٹتا ہے، پھر اس کو بھی خدائی ٹیکس سمجھو۔

تیسرے یہ کہ دنیا میں اگرچہ کم ہوتا ہوا نظر آتا ہے مگر وہاں (آخرت میں) جمع ہوتا ہے، آخر ڈاکخانہ میں بینک میں روپیہ جمع کرتے ہو تمہارے قبضہ سے تو نکل ہی جاتا ہے مگر اطمینان ہوتا ہے کہ معتبر جگہ جمع ہے، نفع بڑھتا رہتا ہے، اسی طرح ایمان والے کو خداوند جل شانہ کے وعدوں پر اعتماد کر کے سمجھنا چاہئے کہ وہاں جمع ہو رہا ہے، اور قیامت کے روز اصل مال نفع کے ساتھ اسے موقع پر ملے گا جس وقت اس کی سخت ضرورت ہوگی۔

اس کے علاوہ مال کی حفاظت کے واسطے چوکیدار نوکر رکھتے ہو، اس کی تنخواہ دینی

پڑتی ہے باوجودیکہ تعداد گھٹ جاتی ہے، مگر اس ڈر سے کہ تھوڑی بچت کے واسطے کہیں سارا روپیہ نہ چوری ہوجائے اس لیے رقم خرچ کرنا گوارا ہوتا ہے، اسی طرح زکوۃ ادا کرنے کو مال کا محافظ سمجھو۔

حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے سے مال ہلاک ہوجاتا ہے (اس کی وجہ سے کبھی نہ کبھی کوئی نہ کوئی مصیبت ضرور آتی ہے)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ نہیں مخلوط ہوتی زکوٰۃ کسی مال میں۔ مگر وہ اس مال کو ہلاک کردیتی ہے۔ (رواہ الشافعی والبخاری)

اور ایک روایت میں ہے کہ تجھ پر زکوٰۃ واجب ہوئی اور تو نے اس کو نہ نکالا ہو سو یہ حرام اس حلال کو ہلاک کر ڈالتا ہے۔

سو اپنے مال ہی کی حفاظت کے لیے زکوٰۃ ادا کرو، پھر یہ کہ ایسا کوئی شخص نہیں ہے کہ جس کو ضرورت مندوں کے لیے کچھ نہ کچھ خرچ نہ کرنا پڑتا ہو کاش اگر حساب کرکے خرچ کریں تو زکوٰۃ سہولت سے ادا ہوجائے۔

(فروع الایمان ص: ۵۷)

باب ۷

تاجروں کے لیے ضروری ہدایات

تجارت کرنے والے کے لیے نرمی اختیار کرنا ضروری ہے

(۱) حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو اس شخص پر کہ نرم ہو بیچنے کے وقت اور خرید کرنے کے وقت اور اپنا حق مانگنے کے وقت۔

(اس سے معلوم ہوا کہ) معاملات میں زیادہ تنگی نہ کیا کریں کہ ایک ایک کوڑی پر رال ٹپکاتے پھریں، یا ذرا سے مطالبہ کے لیے دوسرے کی جان کھائیں، آدمیت اور مروت بھی کوئی چیز ہے۔ (فروع الایمان ص:۷۳)

(۲) فرمایا نرمی کرنا بھی تجارت کے لیے ضروری معلوم ہوتی ہے ایک حدیث میں بھی آیا ہے "**رحم اللہ رجلا سمحا اذ باع وسمحاً اذاشتری**"۔

ترجمہ: اللہ رحم کرے ایسے شخص پر جو چشم پوشی کرے جب بیچے اور چشم پوشی کرے جب خریدے۔

اور دوسری حدیث میں ہے **ما کان رفق فی شئ الا زانہ**۔

ترجمہ: نرمی نہیں ہوتی کسی چیز میں مگر اس کو مزین کر دیتی ہے۔

(مقالات حکمت دعوات عبدیت ۱۹/۷۳)

قابل رشک وقابل قدر تاجر

بہت سے دوکاندار ایسے ہیں جن کی حالت یہ ہے کہ وہ دوکان پر سودا لئے بیٹھے رہتے ہیں اور دلائل الخیرات پڑھ رہے ہیں۔ قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں، ذکر میں مشغول ہیں کوئی خریدار آیا سودا دے دیا پھر اللہ کے ذکر میں مشغول ہوگئے۔

تھوڑی دیر دوکان میں بیٹھ کر جب بقدرِ ضرورت مل گیا دوکان بند کردی اور گھر کو چل دیئے بس اتنا تعلق دنیا کی چیزوں سے ہے۔

(خیر المال ص:۱۸، تجدید معاشیات ص:۲۵۹)

اپنوں سے بھی صفائی معاملات کی ضرورت

عربی میں مثل مشہور ہے کہ تَعَاشَرُوْا کَالْاِخْوَانِ وَتَعَامَلُوْا کَالْاَجَانِبِ کہ اپنے لوگوں سے سلوک کرو، بھائیوں کی طرح لیکن معاملہ کرو اجنبیوں کی طرح، اس میں بڑی مصلحتیں ہیں۔ (الافاضات الیومیہ ۹/۲۵۰، قسط:۲)

فرمایا بفضلہٖ تعالیٰ جیسا اتفاق ہمارے بھائیوں میں ہے ایسا کم دیکھا گیا ہے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہم سب علیحدہ علیحدہ ہیں کسی کا کوئی بار دوسرے پر نہیں حتی کہ میں نے تو اس کی یہاں تک رعایت کی ہے، کہ حتی الامکان بھائیوں سے کوئی چیز مانگ کر بھی نہیں لیتا بلکہ اگر وہ چیز کرایہ کی ہے تو اس کو کرایہ پر لیتا ہوں چنانچہ جب تک ریل نہیں چلی تھی اس وقت تک جب بھی گاڑی کی ضرورت ہوتی تو اپنے بھائی کی گاڑی کرایہ کے ساتھ لیتا تھا، اس کا فائدہ یہ تھا کہ اگر کبھی ان کو خود ضرورت ہوتی تو وہ صاف کہہ دیتے تھے کہ اس وقت گاڑی خالی نہیں کیونکہ جانتے تھے کہ اس سے بھائی کا کوئی نقصان نہیں ہوگا، کیونکہ کرایہ ہر ایک کو دینا ہوگا (جس سے بھی لیں گے) اور اگر میں

مانگ کر (یونہی) لیتا تو ہرگز وہ اتنی صفائی سے نہ کہہ سکتے تھے، اور اس سے طبیعت پر گرانی ہوتی۔

اسی طرح میں اپنے بھائی کے نوکروں سے بھی کام نہیں لیتا ممکن ہے کبھی تنگدلی پیدا ہو۔

نیز آگ جلانے کی لکڑی جس کی کچھ بھی حقیقت نہیں ہے ایک بار ان کے یہاں بہت سی بچ گئیں میں نے وہ بھی قیمت کے ساتھ لیں کیونکہ اس سے مفت خوری کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، آج لکڑیاں آئیں کل پیاز آئے گی پرسوں ترکاری آئے گی۔

(ملفوظات حکیم الامت دعوات عبدیت ۱۴/۸۳)

فرمایا میرے گھر میں کوئی چیز ایسی نہیں جس کے متعلق یہ معلوم نہ ہو کہ یہ میری ہے، اور یہ میرے گھر کے لوگوں کی۔ اس میں بڑی مصلحت ہے اگر کوئی ایک مرجائے تو یہ شبہ نہ ہو کہ یہ کس کی چیز تھی۔

حدیث میں آیا ہے کہ تین پیسہ کے عوض میں سات سو مقبول نمازیں صاحب حق کو دلائی جائیں گی۔ لوگوں کے حقوق نماز روزہ سے زیادہ قابل اہتمام ہیں، کیونکہ ۷۰۰ مقبول نمازوں کی تین پیسے قیمت تجویز کی گئی ہے جو لوگ نمازوں کا اہتمام کرتے ہیں وہ بھی حقوق العباد کا اس درجہ اہتمام نہیں کرتے۔ (ملفوظات دعوات عبدیت ۱۹/۱۲۹)

صفائی معاملات کی اہمیت اور حساب لکھنے کی ضرورت

خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ معاملات کو لکھ لیا کرو، لیکن آج کل یہ عیوب میں داخل ہے کہ بڑے وہمی آدمی ہیں، حالانکہ بعض دفعہ یاد نہیں آتا کہ فلاں چیز کس نے لی تھی تو پریشانی ہوتی ہے۔

اس لیے چاہے چھوٹا ہی معاملہ ہو لیکن اس کو بھی ضرور لکھ لو، کیونکہ لکھ لینے سے

بہت مدد ملتی ہے اور پھر کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا، یہ تمام شبہات کا علاج ہے۔

(حسن العزیز، ۲/۳۶۴، الافاضات الیومیہ ۹/۳۴۷)

معاملات کی صفائی کی بڑی اچھی چیز ہے جب کبھی کسی سے قرض لے یا دے یا ادا کرے اس کو فوراً لکھ لے مثلاً دھوبی کو کپڑے دیتے وقت لکھ لینے سے یہ فائدہ تو ہے ہی کہ بھول نہیں ہوتی، ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اگر کاغذ کھو بھی جائے تب بھی دھوبی پر رعب رہتا ہے اور وہ پورے ہی کپڑے لا کر حوالہ کرتا ہے۔

حساب کتاب لکھنا پڑھنا واقعی اللہ تعالیٰ کے بڑے احسانات میں سے ہے۔

(الافاضات الیومیہ ۹/۳۵۰)

اور زیادہ کام کاج والے مصروف آدمی کو تو زبانی یاد پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے، بلکہ ضروری کاموں کو ضرور لکھ لینا چاہئے۔

اور حساب کتاب میں بھی بڑے تیقظ (چاق و چوبندی) کی ضرورت ہے۔

(حسن العزیز ص: ۵۹۲-۱/۵۵۸)

قرض وغیرہ لین دین کے لکھنے کا شرعی حکم

مسئلہ: (قرض وغیرہ کو) لکھنا جمہور علماء کے نزدیک مستحب ہے اگر کوئی نہ لکھے لکھائے تو گنہگار نہیں ہوگا۔ (اس حکم میں) صرف مصلحت ہے تاکہ اختلاف کا احتمال بالکل نہ رہے۔

مسئلہ: یہ لکھنا چونکہ اس مصلحت کے لیے ہے اس لیے دین (اور قرض) کے ساتھ مخصوص ہے اگر بالفعل (یعنی عملی طور پر فوراً ہاتھ کے ہاتھ لینا دینا ہو جائے اور پھر بھی اس میں لکھنا مصلحت ہو تو مضائقہ نہیں مثلاً کوئی گاؤں (یا زمین باغ) خریدا اس کا بیعنامہ لکھوالیا تاکہ آئندہ چل کر کوئی خرابی نہ ہو۔

مسئلہ: کاتب کو لکھنے کا حکم اور انکار سے ممانعت یہ بھی استحباب کے لیے ہے (یعنی مستحب ہے واجب نہیں، اس پر لکھنا ضروری نہیں) اسی واسطے اگر کاتب لکھنے پر اجرت لے تو جائز ہے۔

مسئلہ: مفلس مقروض جو واقعی بالکل کنگال ہو اس کو مہلت دینا واجب ہے جب اس کو گنجائش ہو پھر مطالبہ کی اجازت ہے۔ (بیان القرآن-۱۶۸/۱، البقرہ: ۱۶۹/۱)

قرض لینے اور دینے والے کے لیے ضروری ہدایات

(۱) حتی الامکان کسی کے مقروض مت بنو، اور اگر ضرورت کی وجہ سے مقروض ہونا پڑے تو اس کے ادا کرنے کی فکر رکھو، بے پروا مت بن جاؤ، اور اگر تم کو کچھ کہے سنے تو صبر کرو اس کا حق ہے۔

(۲) اگر تمہارا قرض دار غریب ہو اس کو پریشان مت کرو، بلکہ مہلت دو، یا کچھ حصہ یا سب معاف کردو، اللہ تعالیٰ تم کو قیامت کی سختی سے نجات دیں گے۔

(۳) تم کسی کے قرض دار ہو تو خراب چیز سے اس کا حق مت ادا کرو، بلکہ اس کی ہمت رکھو کہ اس کے حق سے بہتر اس کو ادا کیا جائے، مگر معاملہ کے وقت یہ معاہدہ جائز نہیں (کہ زیادہ اچھا لیں گے)۔

(۴) اگر تمہارے پاس دینے کے واسطے ہے اس وقت ٹالنا بڑا ظلم ہے۔

(۵) اگر تمہارا مقروض تم کو دوسرے سے دلوادے (یعنی دوسرے کے حوالے کردے) اور اس سے تم کو وصول لینے کی امید بھی ہو تو خواہ مخواہ ضد میں آکر اسی کو مت پریشان کیے جاؤ بلکہ اس کے حوالے کو منظور کرلو۔

(۶) جب کسی کا قرض ادا کیا کرو تو ادا کرنے کے ساتھ اس کو دعاء بھی دیا کرو اور اس کا شکریہ ادا کرو۔ (تعلیم الدین ص: ۳۳)

روپئے ضرور گن لینا چاہئے

ایک صاحب نے حضرت کو کچھ روپئے دیئے فرمایا کہ چاہے کیسے ہی قابل اعتماد شخص سے روپیہ ملے گننے کو ضرور جی چاہتا ہے، روپیہ تو روپیہ پیسہ بھی اگر کوئی دے تو انہیں بھی بغیر گنے رکھنے کو جی گوارہ نہیں کرتا، یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید ان سے گننے میں غلطی ہوگئی ہو۔

پھر فرمایا کہ گننے میں یہ نیت کرلیا کرے کہ دوسرے کا میرے پاس زیادہ نہ آ گیا ہو، عرض کیا گیا کہ جب گننے میں نیت تو یہ ہے کہ کہیں کم نہ ہوں پھر یہ نیت کیسے کرلی جائے کہ کہیں زیادہ نہ آئے ہوں؟

فرمایا کہ نیت تو اختیاری فعل ہے اگر نماز کو جی نہیں چاہتا ہو تو کیا نیت باندھ کر کھڑا نہیں ہوسکتا، اسی طرح یہ نیت بھی کرسکتا ہے یہ بات باریک اور ضبط کے قابل ہے۔

(حسن العزیز ۱/۱۴۷)

حساب کتاب اور قرض سے متعلق حضرت تھانویؒ کا معمول

فرمایا میرا معمول ہے کہ قرض کی یادداشت کے لیے ایک کاپی الگ بنا رکھی ہے، جس کو قرض دیتا ہوں اس میں لکھ لیتا ہوں اور جو پرچہ کے ذریعہ سے لیتا ہے وہ پرچہ بھی محفوظ رکھتا ہوں اور وصول ہونے پر پرچہ واپس کردیتا ہوں اور اس رقم کو قسط وار ادا کرنے والے کے سامنے اس میں ''وصول'' لکھ لیتا ہوں، اور اس کو دکھا دیتا ہوں کہ دیکھو وصول لکھ لیا، اس میں بڑی مصلحت ہے۔ دونوں طرف سے اطمینان ہوجاتا ہے۔ جو کام اصول کے ماتحت ہوگا اس میں کبھی الجھن یا پریشانی نہ ہوگی۔

(الافاضات الیومیہ ۱/٦٦)

روپیہ پیسہ کا ادب اور ملازم کا احترام

فرمایا میرے جو ملازم تنخواہ دار ہیں ان کو بھی جب تنخواہ دیتا ہوں یا کبھی کوئی ان کی مالی خدمت کرتا ہوں تو روپیہ پیسہ کبھی ان کی طرف پھینکتا نہیں بلکہ سامنے رکھ دیتا ہوں یا ہاتھ میں دے دیتا ہوں جیسے ہدیہ دیتے ہیں۔ پھینکنے میں ان کی توہین معلوم ہوتی ہے، کیونکہ یہ ایک تحقیر کی صورت ہے اور ملازم کو حقیر اور ذلیل سمجھنے کا کوئی حق نہیں۔

(الافاضات الیومیہ ۱/۱۹۱)

کس تجارت میں برکت ہوتی ہے اور کس میں نہیں

بعض طاعات میں یہ اثر ہے کہ مال میں برکت ہوتی ہے۔ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر بائع ومشتری (یعنی بیچنے اور خریدنے والے) سچ بولیں اور اپنے مال کی حالت کو ظاہر کر دیں (یعنی اگر اس میں کوئی عیب وغیرہ ہو تو اس کو بتلا دیں اور چھپائیں نہیں) تو دونوں کے لیے ان کے معاملہ میں برکت ہوتی ہے، اور اگر جھوٹ بولیں اور عیب وغیرہ کو پوشیدہ رکھیں تو دونوں کے لیے برکت ختم کر دی جاتی ہے۔ (بخاری ومسلم، جزاء الاعمال ص:۳۱)

تجارت میں سچ بولنے کی اہمیت وافادیت

حدیثوں میں آیا ہے کہ سچے تاجر قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ اٹھیں گے اور یہ بھی آیا ہے کہ دھوکہ دینے والے جھوٹ بولنے والے تاجر کا حشر فاجروں کے ساتھ ہوگا۔

اور یہ حقیقت ہے کہ تجارت میں دنیاوی کامیابی بھی سچائی ہی سے ہوتی ہے گو شروع شروع میں کچھ تکلیف اٹھانا پڑے مگر بعد میں بہت برکت ہوتی ہے، چنانچہ

کانپور میں ایک بانس والے تھے ان کے پاس جو شخص بانس لینے آتا وہ تاجر یہ کہہ دیتا کہ یہ بانس اتنے دن رہے گا یہ سن کر سب چھوڑ کر چلے جاتے دوسری جگہ پہنچتے تو دوکاندار بڑی تعریف کرتے لوگ ان کی ہی دوکان سے خریدتے لوگوں نے ان سے کہا کہ بھائی یہ کام ایسے نہیں چلتا، اس نے جواب دیا کہ فروخت ہوں یا نہ ہوں (بکیں یا نہ بکیں) میں تو سچ ہی بولوں گا۔ تھوڑے دنوں کے بعد جب دوسروں کے بانس جلدی جلدی خراب ہونے لگے اب لوگ ان کی طرف آنے لگے کیونکہ یہ جو کہہ دیتا تو وہ بانس ویسا ہی نکلتا ہے، سب کی دوکانداری پھیکی پڑ گئی، بس شروع میں تھوڑی سی پریشانی ہوتی ہے۔ جب لوگوں کو پورا اطمینان ہوجاتا ہے تو پھر یہ پریشانی بھی ختم ہوجاتی ہے۔

(ملحوظات جدید ملفوظات ص:۸۳)

دوکانداروں، تاجروں کے لیے اہم ضروری ہدایات

(۱) تجارت بہت عمدہ چیز ہے، آخرت میں انبیاء وصدیقین وشہداء کی ہمراہی نصیب ہوگی۔

(۲) ہمارے زمانہ میں روپیہ پیسہ بڑے کام کی چیز ہے، اس کی قدر کرنا چاہئے، اور حلال طریقہ سے کمانے میں شرم نہ کرنا چاہئے گو عرف میں بدنامی ہو۔

(۳) جس طریقہ سے آدمی کی بسر ہوتی ہو شدید ضرورت کے بغیر اس کو چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار نہ کرے۔

(۴) جس پیشہ میں ہر وقت ناپاکی کے ساتھ تعلق ہوتا ہو تو ایسے پیشہ اور کمائی سے بچنا چاہئے۔

(۵) سودا بیچنے کے وقت بہت قسمیں مت کھاؤ، اس میں ایک آدھ جھوٹ بھی نکل جاتا ہے پھر برکت مٹ جاتی ہے۔

(۶) اگر تمہارے سودے یا داموں میں کچھ عیب ہو اس کو ہرگز مت چھپاؤ صاف کہہ دو (کہ اس میں یہ عیب ہے) اس کے چھپانے سے برکت مٹ جاتی ہے۔

(۷) اپنا معمول رکھو کہ تجارت کے منافع سے کچھ خیرات نکالتے رہا کرو، بعض باتیں تجارت میں نامناسب ہو جاتی ہیں (جو اللہ کو ناپسند ہوتی ہیں) خیر خیرات سے کسی قدر اس کے وبال میں تخفیف ہو جاتی ہے۔

(۸) جس چیز میں طبیعت صاف نہ ہو، دل کھٹکتا ہو وہ چھوڑ دینے کے قابل ہے۔

(۹) سودا جھکتا تول کر دیا کرو۔

(۱۰) خرید و فروخت کے وقت اور اپنے حق کے مطالبہ کے وقت نرمی اختیار کرو، سختی اور تنگی اچھی چیز نہیں۔ (تعلیم الدین ص: ۲۸-۲۹)

چوری یا نقصان ہو جانے سے بھی صدقہ کا ثواب ملتا ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان کوئی درخت لگائے یا کھیتی بوئے پھر اس میں سے کوئی انسان یا پرندہ چرندہ کھالے وہ بھی اس کے لیے صدقہ ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

اور مسلم شریف کی ایک روایت میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ جو اس میں سے چوری ہو جائے وہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے۔ (مسلم)

حالانکہ مالک نے چور کو نفع پہنچانے کا ارادہ نہیں کیا، صدقہ کا ثواب ملنا یہ کتنی بڑی رحمت ہے۔ (حیوۃ المسلمین ص: ۲۳۳، روح پانزدہم)

پیسہ گم ہو جانے پر بھی ثواب ملتا ہے

ایک روز ایسا ہوا کہ میرا ایک پیسہ گم ہو گیا، دیر تک میں نے اس کو تلاش کیا لیکن

نہیں ملا، نیاز (جو حضرت تھانویؒ کے خادم تھے) سے کہا کہ تم بھی ڈھونڈو، اب اس کو چاہے کوئی بخل سے تعبیر کرے جب تک مل نہیں گیا چین نہیں آیا، کیونکہ وہ گم ہو جانا کسی مد میں شمار نہ تھا فضول جانے کا رنج تھا، اور اگر تلاش کے باوجود بھی نہ ملتا تو اس کا بھی ایک مد سمجھ رکھا ہے وہ یہ کہ نہ ملنے پر صبر کا ثواب ملے گا، بہر حال کچھ تو ملا، دل کو سمجھانے کے لیے یہ بھی ایک خاص مد ہے کہ اگر وہ نہیں ملا تو ثواب تو ملا۔

(ملفوظات حکیم الامت ۱۱۹/۲، قسط ۲)

چوری ہو جانے یا کسی قسم کا نقصان ہو جانے پر صبر و تسلی کا مضمون

اگر کسی مرغوب (پسندیدہ) شے کے جاتے رہنے سے غم لاحق ہو مگر کسی ایسی دوسری چیز کا ہم کو پتہ مل جائے، اور اس کے ملنے کا یقین ہو جائے کہ جو شے اس مرغوب شے سے ہزاروں درجے بڑی ہو تو پہلی چیز کا ہمیں غم نہیں ہونا چاہئے، جیسے کسی کے ہاتھ میں ایک پیسہ ہو اور دوسرا شخص اس کو چھین کر اس کے بدلہ میں روپیہ دے دے تو ظاہر ہے کہ پیسے چلے جانے کا بالکل غم نہ ہوگا (کیونکہ اس سے بڑھ کر روپیہ مل چکا ہے) بلکہ اگر وہ شخص بدلنا چاہے تو یہ بدلنے پر کبھی راضی نہ ہوگا، یہی بات اللہ تعالیٰ نے ہم کو آیت ''مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللهِ بَاقٍ'' میں بتلائی ہے کہ جو چیزیں ہمارے پاس ہیں اور گو ہیں انتہا درجہ کی مرغوب و پسندیدہ مگر وہ سب فنا ہونے والی ہیں اور خدا تعالیٰ ہمیں ان سے اچھی چیزیں دے رہے ہیں، مطلب یہ ہے کہ تم ان مرغوب چیزوں تک مت رہو بلکہ جو چیز اس سے اچھی اور باقی رہنے والی ہے اس کی نیت کرو۔ پس ہم کو چاہئے کہ اس مرغوب شے کا خیال کر کے جو باقی ہے یعنی آخرت کا ثواب اس کو سوچ کر اپنے غم کو مغلوب کریں۔ جو شخص اس پر غور کرے گا اس کا غم ضرور مغلوب (اور ہلکا) ہو جائے گا۔ (انوار السراج، التبلیغ ۲۷۸/۱۴)

رنج وغم کا علاج

غم کا علاج یہی ہے کہ اس کو سوچو ہی مت خیال بھی مت کرو، ورنہ ظاہر ہے کہ انسان جس قدر غم کا تذکرہ کرے گا اور جتنا سوچے گا اتنا ہی غم ترقی پکڑے گا۔ پھر تذکرے میں بھی اتار چڑھاؤ بہت کرتے ہیں کہ اے اللہ کیا ہوگیا، بچے کہاں جائیں گے بیوی کیا کرے گی وغیرہ وغیرہ۔ ان باتوں کے تذکرے سے اس کا صدمہ ہی بڑھتا ہے۔ اس کا علاج تو یہ ہے کہ بالکل تذکرہ ہی چھوڑ دو، خیال بھی مت کرو۔ اس صورت میں غم تو ہوگا مگر معتدل غم ہوگا، اور وہ مضر نہیں بلکہ مفید ہے کیونکہ قدرتی طور پر رنج وغم میں بھی حکمت اور نفع ہے، غم سے قلب کی صفائی ہوتی ہے، اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ غمگین رہتے تھے، جیسا کہ شمائل ترمذی میں ہے۔ فرعون نے غم نہ ہونے ہی کی وجہ سے خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔

پس اصل میں تو غم مفید چیز ہے مگر اسی قدر جس قدر اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے باقی جو غم ہم خود بڑھالیں وہ برے ہیں۔

(انوار السراج التبلیغ ۲۷۸/۱۴)

باب (۸)

زمین، جائداد مکان کا بیان

زمین و جائداد کی قدر و اہمیت اور زمین خریدنے بیچنے کی بابت

اسلامی ہدایت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے پاس زمین جائداد ہو اور اس کو کسی مصلحت سے بیچ دے تو فوراً دوسری خریدے کیونکہ روپیہ میں برکت نہیں ہوتی یعنی وہ رہنے والی چیز نہیں، اور واقعی ہے بھی یہی کہ روپیہ رہتا نہیں سو اس حدیث میں جائداد کی حفاظت کی رغبت دلائی جا رہی ہے۔

اور ایک حدیث ہے اس میں جائداد خریدنے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ممانعت فرمائی ہے۔ وہ پیغمبر ایک جگہ رغبت دلا رہے ہیں جائداد رکھنے کی اور وہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرما رہے ہیں کہ اے عائشہؓ جائداد مت خریدنا، مطلب یہ ہے کہ نہ ہو تو (بے ضرورت) لو مت اور ہو تو دو مت۔ نبی کے سواء کوئی اور پیشوا یہ تعلیم نہیں کر سکتا۔

اس تعلیم میں ایک راز ہے وہ یہ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو ذلت سے بچاتے ہیں اور یہ امر شاہد ہے کہ جس کے پاس جائداد ہو اس کی عزت تو جائداد سے ہوتی ہے، وہ اگر جائداد بیچ دے گا تو اس کی وہ عزت نہ رہے گی۔ اس لیے

اس کو رکھنے کے واسطے فرمایا۔

یہاں تک کہ اگر کسی مصلحت سے فروخت کرے تو پھر دوسری فوراً لے لے، اور جس کے پاس جائداد نہ ہو تو اس کی جو عزت ہوگی وہ ویسے ہی ہوگی پھر جائداد کر کے کیوں جھگڑے میں پڑے۔

خلاصہ یہ کہ جائداد ایسی چیز ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بیچنے سے منع فرما رہے ہیں، دیکھا آپ نے کہ زمین کتنی قدر کی چیز ہے۔ اس سے عزت اور جاہ کی حفاظت ہوتی ہے، اور اس کی برکت دیکھئے کہ جس کے پاس یہ ہے اس کے پاس سب کچھ ہے، اور خوبی یہ کہ آمدنی کھاتے رہو، اور ویسی کی ویسی بنی رہتی ہے۔ اس میں سے کچھ کم نہیں ہوتا۔ (التبلیغ احکام المال ۱۵/۱۰۱)

زمین و جائداد کو باقی رکھنا چاہئے

ایک صاحب میرے پاس آئے تھے اپنی زمین سے سبکدوش ہونا چاہتے تھے چندروز کے بعد ان کی حالت سنبھلی تو احساس ہوا اور میرے بڑے شکر گذار ہوئے۔

حضرت حاجی صاحب سے ایک بی بی نے اپنی جائداد وقف کرنے کی اجازت چاہی، حضرت نے منع کیا اگر کوئی کہے کہ نیک کام سے منع کیا تو صاحب نیک کام سے منع نہیں کیا بلکہ شر سے (یعنی برائی سے) روکا۔ (التبشیر دعوت وتبلیغ ص:۳۷۲)

ہمارے حضرت مرشد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک نیک عورت نے اپنی جائداد کے متعلق وقف کرنے کے متعلق مشورہ طلب کیا، حضرت نے فرمایا بھائی ایسا مت کرنا، آدمی کو اپنے نفس کی تسلی کے لیے بھی کچھ رکھنا ضروری ہے۔ بسا اوقات (جب پریشانی آتی ہے) تو وقف کر کے پچھتاتا ہے کہ میں نے یہ غلطی و ناعاقبت اندیشی کی۔ تو اس خیر کا کیا ثواب مل سکتا ہے جس کو کر کے پچھتائے اور افسوس کرے۔

مکان بنانے کی مشروعیت

ایک آیت میں مکان کا بھی ذکر فرمایا گیا چنانچہ ارشاد ہے: ''قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَاؤُکُمْ وَاَبْنَاؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسَاکِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ''۔ (توبہ)

ترجمہ: یعنی فرما دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی بیویاں اور کنبے والے اور وہ مال جس کو تم نے محبت سے حاصل کیا ہے............اور وہ گھر جنہیں تم پسند کرتے ہو زیادہ محبوب ہیں، تمہارے نزدیک خدا اور اس کے رسول سے اور جہاد کرنے سے تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنے حکم کو لائے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر یہ چیزیں جو مذکور ہوئیں تمہیں خدا اور رسول کے احکام سے زیادہ محبوب ہیں، تو حکم ثانی کا انتظار کرو۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی کتنی رحمت ہے کہ محض مساکن (یعنی مکان بنانے پر) وعید نہیں اور نہ رضا بالمساکن (مکان پر خوش ہونے) پر وعید ہے۔ یعنی مکان پسند کرنے پر بھی وعید نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اچھا اور پسندیدہ مکان بنانے کی اجازت ہے، اب وعید کس پر ہے صرف **احب الیکم** پر کہ وہ خدا سے زیادہ محبوب ہوں تو محل وعید میں ہیں۔ اس میں بھی مطلق محبوب ہونے پر وعید نہیں۔

تو مکان کا نہ تو مرضی (پسندیدہ) ہونا محل وعید میں ہے نہ محبوب ہونا بلکہ **احب من اللہ** ہونا (یعنی اللہ سے زیادہ مکان سے محبت ہونا یہ) محل وعید ہے۔

اب اگر کوئی شخص بقدر ضرورت مکان بنوالے جس میں اسراف و تفاخر نہ ہو تو

کوئی حرج نہیں۔

بہرحال عمدہ، پختہ اور بڑا مکان بنانے کی شرعاً اجازت ہے، چنانچہ اس کے عدم جواز کا کسی کا بھی مذہب نہیں ہے۔ (ضرورت تبلیغ ص:۲۸۶)

اور آیت **افمن اسس بنیانه** الخ میں اللہ تعالیٰ نے تاسیس بنیان (عمارت بنانے) پر نکیر نہیں فرمائی، بلکہ خاص مکان پر نکیر فرمائی تو اس سے (بھی) معلوم ہوا کہ خود مکان بنانا مذموم نہیں بلکہ وہ تو اگر بقدر ضرورت ہو تو محمود ہے۔

(تاسیس البنیان ص:۶۸۰)

مکان کی اہمیت اور اس کے منافع

گھر سے محبت سب کو ہوتی ہے اور محبت کی وجوہ (واسباب) مختلف ہوتے ہیں، بعض لوگوں کو تو خود گھر ہی سے بالذات تعلق ہوتا ہے خاص طور پر عورتیں چونکہ رات دن اسی فکر میں رہتی ہیں اس لیے ان کو گھر سے شدید (بہت گہرا) تعلق ہوتا ہے۔

اور بعض لوگوں کو گھر سے اس وجہ سے محبت ہوتی ہے کہ گھر میں سامان ہے راحت کی سب چیزیں مہیا ہیں، دوسری جگہ جاتے ہیں تو پریشانی ہوتی ہے جب جی گھبرایا گھر چلے گئے، جب بھوک لگی گھر میں جو کچھ رکھا ہوا خواہ باسی خواہ تازہ یا کوئی اور شئ کھالیا، یہ بات باہر کہاں، بلکہ وطن ہی میں اگر کہیں دعوت ہو جائے اور باسی روٹی کھانے کو جی چاہے تو ممکن نہیں کہ آپ باسی کھائیں تازی ہی کھانا پڑے گی۔ یا کسی چیز کے کھانے کا جی نہیں چاہتا وہ چیز کبھی کھائی نہیں اور دعوت میں وہی چیز سامنے آ گئی تو جھک مار کر وہی کھانا پڑے گی۔ یا اس وقت بھوک نہیں اگر اپنے گھر ہوتے نہ کھاتے لیکن یہاں کھانا ہی پڑے گا، خواہ تھوڑا ہی کھائیں، یہ آسائش (آرام اور آسانیاں) گھر ہی میں ہیں۔ غرض اور بلاد کے اعتبار سے اپنے گھر میں زیادہ راحت ملتی ہے۔

گھر وہ شے ہے کہ جتنی چیزیں آدمی کو مرغوب ہوتی ہیں ان سب کا میزان الکل (مجموعہ ومرکز) لفظ گھر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں جاہ ومال، اولاد اور کھانے پینے کی چیزیں اور تفریح کا سامان وہ سب گھر کے اندر آ گئیں۔

(وعظ الدنیا ملحقہ دنیا وآخرت ص:۸۷)

حضرت حاجی صاحبؒ کا قصہ

بغیر مکان کے گذر نہیں ہوسکتا، اور سخت تکلیف ہوتی ہے، ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ مکہ تشریف لے گئے تو فاقوں کو تو جھیل لیا مگر مکان کی تکلیف نہ برداشت فرما سکے، اور دعا کی کہ اے اللہ ایسی بیٹھنے کی جگہ مرحمت فرمایئے کہ جس سے کوئی اٹھا نہ سکے۔

غیب سے یہ انتظام ہوا کہ ایک شخص نے حضرت کے نام مکان خرید دیا حضرت نے اس مکان میں بیٹھتے ہی معاً وقف نامہ لکھ دیا کہ اپنی زندگی تک میں رہوں گا پھر میرے بعد یہ مکان دوسرے اغراض محمودہ کے لیے وقف ہے، اور وقف میں اس طرح کی شرط لگانا جائز ہے کہ اپنے انتفاع کی یا اپنی اولاد کی یا اولاد کی اولاد کے انتفاع کی شرط لگالے یہ بھی ثواب کا مرتبہ ہے۔

غرض مکان کے نہ ہونے کی وجہ سے سخت تکلیف ہوتی ہے، ہاں شرط یہ ہے کہ مقام امن میں ہو گڑبڑ نہ ہو، ورنہ پھر مکان سے خاک بھی سکون نہیں ہوتا۔

(تاسیس البنیان ملحقہ حقیقت مال وجاہ ص:۶۸۱)

تجربہ کی بات

فرمایا گھر میں (اہلیہ) ہمیشہ مجھ سے کہا کرتیں کہ ایک مکان رہنے کے لیے علیحدہ بنالو، لیکن میں ان کو ٹال دیتا کہ چند روزہ زندگی کے لیے کیا مکان بناتی ہو، جب میں حج

کرنے گیا اور بعد میں گھر میں سے پہنچ گئیں تو انہوں نے حضرت حاجی صاحب سے شکایت کی کہ میں گھر بنوانے کو کہتی ہوں اور یہ گھر نہیں بناتے حضرت نے مجھ سے فرمایا میاں تمہارے گھر میں سے گھر بنوانے کو کہتی ہیں کیا حرج ہے یہ تو اچھی بات ہے، اپنے خاص گھر میں آرام ملتا ہے۔ میں نے جی میں کہا کہ ترکیب تو مکان بنوانے کی اچھی نکالی ہے میں نے عرض کر دیا بہت اچھا اب بن جائے گا، واپسی کے بعد جب مکان بن گیا تو قصداً میں نے حضرت کو لکھا حضرت نے فرمایا گھر مبارک ہو۔

حضرت (تھانوی) نے فرمایا کہ گھر بنانے کے بعد معلوم ہوا کہ اس کے بغیر راحت نہیں ہوتی، باقی اگر کسی کو تنگی ہو اور نہ بنا سکے تو اور بات ہے۔

(ملحوظات جدید ملفوظات ص:۱۴۰)

مکان گر جانے پر صبر اور ضرورت کی وجہ سے مکان کی تبدیلی

اگر بانی (مالک مکان) رہ جائے اور مکان گر جائے تو ایسا ضرر (نقصان) نہیں اصل ضرر اور سب سے زیادہ ضرر یہ ہے کہ بانی جو اس میں رہتا تھا وہ بھی گر گیا (یعنی بانی کو لے کر مکان بیٹھ گیا)۔

(مکان ہونے کے لیے) شرط یہ ہے کہ مقام امن ہو گڑبڑ نہ ہو۔

کسی وقت اگر محلّہ ویران اور خطرناک ہو گیا یا ہمسائے (پڑوسی) شریر ہو گئے تو اب مکان بدلنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ (تاسیس البنیان ملحقہ حقیقت مال وجاہ، ملتقطاً ص:۶۸۱)

بے ضرورت مکان بنانے کی مذمت

بے ضرورت مکان نہ بناؤ یہ بھی تقویٰ کے خلاف ہے، جب ضرورت ہی شدید ہو تو مجبوری ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ سب چیزوں میں اجر ملتا ہے مگر عمارتیں کہ اس میں اجر نہیں ملتا، اور تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عمارت میں زیادتی ہو ہی جاتی ہے اور میں خود اس میں مبتلا ہوں کہیں ذرا سا گوشہ نکلا ہوا برا معلوم ہوتا ہے کہیں نیچا ہے اسی کو برابر کرنا ہے کہیں صرف اس ضرورت سے کہ مقابلہ ٹھیک نہیں ہوتا کوئی چیز بنائی جاتی ہے اگر دروازہ سے پورا تقابل (آمنا سامنا) نہیں ہوتا تو مقابلہ میں دروں کی نشانی بلاضرورت ڈالتے ہیں غرض عمارت وبال ہے۔ البتہ ضرورت مستثنیٰ ہے۔ (حقیقت مال وجاہ ص:۶۹۳)

ضرورت ہر شخص کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے

یہ ضرور ہے کہ ہر شخص کی ضرورت مختلف قسم کی ہوتی ہے اس لیے اختصار بھی ہر ایک کے لحاظ سے مختلف ہوگا، ایک شخص ہے اس کے گھوڑے (گاڑیاں) وغیرہ بھی ہیں اس کو بڑے مکان کی حاجت ہے اس لیے ہر شخص کا اوسط جدا ہے، اگر کسی شخص کی ضرورت زیادہ ہو کہ آدمی بھی ہوں جانور بھی ہوں، ان کی مقدار کے موافق وسعت کرنے میں مضائقہ نہیں۔ غرض حد ضرورت میں تعمیر کرنا چاہئے اور ضرورت سے زائد کو ترک کرنا چاہئے۔ (حوالہ مذکور)

غیر ضروری عمارت (مکان) کو گرانے سے متعلق ایک صحابی کا قصہ

حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے جا رہے تھے ایک مکان قبہ دار (گنبد والا) دیکھا پوچھا یہ مکان کس کا ہے؟ کسی نے عرض کیا کہ فلاں انصاری کا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سن کر خاموش رہے، جب وہ انصاری صحابی آئے تو انہوں نے سلام کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سلام کا جواب نہیں دیا، انہوں نے دوسری طرف جا کر سلام کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پھیر لیا، انہوں نے

یہ منظر دیکھا تو روح ہی قبض ہوگئی، اب آہستہ آہستہ ہر ایک سے پوچھتے پھرتے ہیں کہ یہ کیا بات ہے؟ کسی نے کہا کہ اور تو ہم کو کچھ معلوم نہیں صرف اتنی بات معلوم ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری طرف تشریف لے جا رہے تھے اور پوچھا تھا کہ یہ مکان کس کا ہے؟ بس اس سے زیادہ کوئی بات نہیں۔ ابھی پورا یقین اس کا نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کی وجہ یہی ہے محض شبہ ہی ہوا کہ شاید یہ مکان ہی ناراضگی کا سبب ہو، محض اس شبہ کی بنا پر جا کر اس مکان کو کھدوا کر پھینک دیا کہ میں کیا آگ لگاؤں گا، اس مکان کو جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا سبب ہو، یہ تو ہوا ہی اس سے بڑھ کر لیجئے کہ آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع نہیں کی، اور جتلایا نہیں کہ میں نے ایسا کیا، اس لیے کہ آپ پر کیا احسان کیا، اتفاق سے جب آپ کسی اور دن اس طرف تشریف لے گئے اور وہ مکان نہ دیکھا تو پوچھا کہ وہ مکان کیا ہوا؟ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ان کو یہ شبہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہیں اس لیے اس کو منہدم کرا دیا۔ آپ نے فرمایا ہاں جو تعمیر ضرورت سے زیادہ ہو وہ وبال ہی ہے۔

(الضحایا ملحقہ سنت ابراہیم ص:۱۴۱)

مکان بنانے کے حدود

یہ ہر شخص خود سمجھ سکتا ہے کہ اس کو کتنا مکان ضروری ہے کیونکہ لوگوں کے درجات مختلف ہیں اور انہیں درجات کے لحاظ سے ضروریات بھی مختلف ہیں، کسی کو ایک حجرہ (کمرہ) آسائش و راحت کے لیے کافی ہوتا ہے اور کسی کو ایک بڑا مکان بھی مشکل سے کافی ہوتا ہے، ایک شخص کو زیادہ سردی لگتی ہے وہ لحاف اوڑھتا ہے اور ایک شخص کا جاڑا ہلکی رضائی میں چلا جاتا ہے، دونوں کا اسراف الگ الگ ہے، ہر شخص اپنی ضرورت کو خود ہی سمجھ سکتا ہے۔

ہاں ضرورت سے آگے ایک درجہ آرائش کا ہے وہ بھی جائز ہے، بشرطیکہ اس میں اسراف اور حدودِ شرعیہ سے تجاوز نہ ہو، اور نہ قصد فخر وعجب کا اختلاط ہو، کیونکہ یہ درجۂ نمائش کا ہے جو ناجائز ہے۔

اوراسراف کے معنی یہ ہیں کہ منہی عنہ (ناجائز امر) کا ارتکاب نہ ہواور جو خرچ ہو وہ معصیت میں خرچ نہ ہو، اس میں بھی تھوڑی تفصیل ہے۔ بعض دفعہ ایک ہی شے ایک شخص کے اعتبار سے اسراف ہوسکتی ہے اور ردوسرے شخص کے اعتبار سے اسراف نہیں ہوتی۔

مثلاً ایک شخص کو دس روپے گز کا کپڑا پہننے کی وسعت ہے اور ایک شخص کو ایک روپے گز کے کپڑے کی بھی وسعت نہیں، یہ اگر دس روپے گز کا کپڑا خریدے گا تو ضرور قرض دار ہوگا، اب دونوں نے یہ کپڑا خریدا، تو جس کو وسعت ہے اس کے لیے تو کچھ حرج نہیں، نہ اس پر اسراف کا الزام اور جس نے قرض لیا وہ بےضرورت گردن پھنسانے سے گنہگار اور اسراف کرنے والا شمار ہوگا، کیونکہ بلاضروت مقروض ہونا گناہ ہے۔

دیکھئے دس روپے گز کا کپڑا پہننا ایک فعل مباح ہے مگر ایک کے لیے گناہ نہیں ہے، اور ایک کے لیے گناہ ہے واقع میں تو وہ فعل مباح ہے مگر ایک عارض کی وجہ سے اس کے لیے گناہ کا موجب بن گیا، اور وہ عارض بلاضرورت قرض لینا ہے، اگر یہ شخص اس قدر قیمتی لباس نہ پہنتا تو بےضرورت قرض کی معصیت میں مبتلا نہ ہوتا، اس لیے اس کے لیے اتنا اچھا اور قیمتی پہننا بھی گناہ ہے، کیونکہ گناہ کا مقدمہ (ذریعہ) بھی گناہ ہوتا ہے۔

(ضرورت تبلیغ ص:۲۸۸)

آج کل کے مکانات

آج کل اکثر عمارتیں تو ایسی ہیں جن میں ضرورت کا لحاظ نہیں کیا جاتا چنانچہ بعض مکانوں میں دروازے بہت بلند ہیں، بلکہ بعض مکان تو ایسے ہیں کہ دروازہ تو نہایت عالیشان مگر اندر سے مکان بہت ہی مختصر پرانی عمارتوں میں اکثر ایسے ہی دروازے دیکھے جاتے ہیں ان مکانوں میں اکثر مکان ایسے بنائے گئے ہیں کہ جس لاگت میں ان کے دروازے بنے ہیں اتنی لاگت میں دوتین حویلیاں تیار ہوسکتی تھیں تو اس کو سوائے آرائش بلکہ نمائش کے اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ (ضرورت تبلیغ ۵/۶۹۴)

غرض عمارات میں ریا وتفاخر واسراف سے تحرز (بچنا) لازم ہے، ہر عمارت میں تقویٰ اور اللہ کی رضامندی کی ضرورت ہے۔ (حوالہ مذکور ص:۶۹۱)

مکان بنوانے میں چند ضروری امور کا لحاظ

بعض عمارات میں جہاں رضوان وثواب کی نیت ہو صرف تقویٰ بھی کافی ہے اب تقوی کی مختصر فہرست بتلاتا ہوں جس میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ بے ضرورت مکان نہ بناؤ، یہ بھی تقوی کے خلاف ہے۔ (اس کی تفصیل ماقبل میں گذر چکی)۔

دوسرے کے حق میں مکان بنوانا

دوسری چیز اس فہرست کی یہ ہے کہ اپنی عمارت کی اصلاح کے لیے جس کی زمین پاس دیکھی دبالی، تاکہ اپنی عمارت نہ بگڑے (یہ ناجائز وحرام ہے)۔

افسوس ہے کہ پہلے زمانہ میں تو کفار سلاطین (بادشاہ) بھی ایسا نہ کرتے تھے پھر حیرت ہے کہ ہم مسلمان اور ضعیف القدرۃ ہو کر یہ حرکتیں کریں؟

نوشیرواں بادشاہ تھا جب اپنی محل بنانا چاہا تو ایک بڑھیا کا مکان محل کے قریب

تھا جس کے ملانے کی ضرورت تھی ورنہ محل میں رینچ (رخنہ وکج) رہتا تھا۔ مگر اس نے دینے سے انکار کر دیا، تو نوشیرواں نے اس پر زور نہ دیا اور نہ جبر کیا بلکہ اپنا مکان ٹیڑھا ہی بنالیا، اور ایک گوشہ کے بگڑنے کا خیال نہ کیا۔

پہلے لوگوں میں طبعی یا عقلی طور سے خلوص وتواضع اور حدود کی حفاظت تھی اس لیے ان کی تعمیرات پائیدار، خوشنما، اور مضبوط بھی ہیں، اور آج کل یہ حالت ہے کہ سب سے پہلے اس پر نظر جاتی ہے کہ کسی کی زمین پاس میں ہے اس کو دیکھ کر آدمی باولا بن جاتا ہے کہ کسی طرح یہ بھی میرے مکان کے اندر آ جائے، اور اگر کسی غریب اور کمزور کی ہے تو روز بروز اپنی عمارت کا تھوڑا ادھر کھسکانا شروع کر دیتا ہے سچ یہ ہے کہ آج کل تواضع اور رحم بالکل نہیں اور اس کی وجہ سے آخرت کا تو نقصان ہے، ہی مشاہدہ ہے کہ عمارت بھی ناپائدار ہوتی ہے (اور بہت جلد کوئی فتنہ اور مصیبت آ جاتی ہے)۔

غرض مکان بنانے میں اس کی رعایت رکھو کہ کسی کی زمین نہ دباؤ کسی کی زمین میں دروازہ مت کھولو کسی کی ملک میں نالی نہ نکالو۔ (تاسیس البنیان)

حضرت تھانویؒ کا قصہ

مجھے ایک مکان کی ضرورت تھی اس لیے میں نے ایک مکان خریدا، اس مکان کا جو صدر دروازہ تھا اس کی بابت لوگوں کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ دروازہ دوسرے کی زمین میں بنا ہوا ہے، گو صدر دروازہ کے لائق وہی جگہ تھی مگر میں نے اسے بند کرا دیا، اور بند بھی اس طرح کرایا کہ اینٹ نکلوا کر ردّہ سے ردہ ملوا دیا تا کہ کبھی ملک کا شبہ نہ رہے، اگر کوئی زمیندار اس مکان کو خریدتا تو ایسے موقع کو غنیمت خیال کرتا معمار نے اس سمت میں مالک زمین کی اجازت سے موریاں رکھ دی تھیں میں نے ان کو بھی بند کروا دیا کیونکہ ابھی تو یہ تبرع ہے پھر یہی حق سمجھا جانے لگے گا، تو مکان بنوانے میں ان

امور کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ (ناسیس البنیان ص:۷۰۳)

مالِ حرام سے تعمیر

تیسری چیز اس فہرست کی یہ ہے کہ تعمیر میں حرام مال نہ لگایا جائے، ورنہ از روئے حدیث یہی ویرانی کی جڑ ہے۔ تھانہ بھون میں پیر محمد صاحب کی مسجد عالمگیر کے وقت کی ہے جس کی دیواریں اور گنبد گارے کے ہیں، مگر (مضبوطی اور) پائیداری کی اس کے سوا اور کیا وجہ ہوسکتی ہے کہ مال حلال تھا اور نیت میں خلوص تھا اور جو شخص تعمیر میں ان امور کی رعایت نہ کر سکے وہ تعمیر ہی نہ کرے۔

اور ان امور کی رعایت بقدر ضرورت تعمیر میں ہے، باقی ضرورت سے زیادہ تو تعمیر بالکل ہی ناپسندیدہ ہے۔ (حقیقت مال وجاہ ص:۷۰۴)

ریاوتفاخر

(چوتھے یہ کہ) عمارات میں ریاوتفاخر واسراف سے تحرز (بچنا) لازم ہے، بس ہر عمارت میں یہ امر ضروری اور قابل لحاظ ہے کہ یہ تعمیر آسائش کے واسطے ہے یا نمائش کے واسطے جو عمارتیں نمائش (دکھلاوے) کے واسطے ہوں وہ تقویٰ کے خلاف ہیں، اور آج کل اکثر عمارتیں ایسی ہی ہیں جن میں ضروت کا لحاظ نہیں کیا جاتا، بعض مکان تو ایسے ہیں کہ دروازہ تو نہایت عالیشان مگر اندر سے بہت مختصر اس کو سوائے نمائش (ریاکاری) کے اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

(البتہ) عمدہ پختہ اور بڑا مکان بنانا شرعاً ماذون فیہ ہے (یعنی جائز ہے) اب اگر کوئی شخص بقدر ضرورت مکان بنوالے جس میں اسراف وتفاخر نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔

(حقیقت مال وجاہ)

چھوٹے مکانوں کی افادیت

آج کل یہ بھی مرض ہے کہ بہت اونچی اونچی عمارتیں بناتے ہیں پھر جب وہ گرتی ہیں تو کسی چیز کا پتہ نہیں چلتا، سب کو لے کر بیٹھ جاتی ہیں، ان آفات سے محفوظ تو گاؤں کے مکان ہیں، جو نیچا ہونے کی وجہ سے زلزلہ کے وقت بھی نہیں گرتا، ۲۸/ اپریل منگل کے روز زلزلہ آیا تھا زلزلہ میں شدت تھی ایک تو زلزلہ کی شدت دوسرے بڑے اور اونچے مکانوں میں حرکت، تو میں نے کہا کہ یا اللہ تیرا شکر ہے کہ ہمارے مکان چھوٹے چھوٹے ہیں، جو زلزلوں کے اثر سے محفوظ ہیں، اس واسطے کہ یہ قاعدہ ہے کہ مرکز سے محیط کو جس قدر بُعد (دوری) ہوگا اس میں حرکت زیادہ ہوگی، دیوار جس قدر لمبی ہوگی زلزلہ میں حرکت زیادہ ہوگی۔ (حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ اخیر زمانہ میں قرب قیامت زلزلوں کی کثرت ہوگی) اور یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ نیچے نیچے گھر والے دنیا میں بھی زلزلہ کی شدت سے محفوظ رہیں گے اور خدا تعالیٰ کے یہاں بھی محفوظ رہیں گے۔

خدا تعالیٰ کو یہ مسئلہ بھی بتلانا تھا کہ مکان ایسا بنانا چاہئے جو مکین کو نہ لے بیٹھے اور کچے مکانوں اور نیچے گھروں میں گو بعض تکلفیں ہوتی ہیں مگر راحتیں زیادہ ہیں، اگر کبھی گر پڑا تو جلدی سے دوسرا ویسا ہی بن سکتا ہے۔ (تاسیس البنیان ص: ۶۸۱)

مکان کشادہ ہونا چاہئے

وسعت مکان کی دعا: فرمایا حدیث شریف میں آیا ہے کہ **الشوم فی ثلثة المرأة والدار والفرس۔**

شراح حدیث نے شؤم فی الدار (یعنی منحوس گھر) کی ایک تعبیر یہ بھی کی ہے کہ مکان تنگ ہو، ضرورتوں کے لیے کافی نہ ہو، تنگ مکان سے واقعی بہت تکلیف ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں وسعت مکان (یعنی مکان کے وسیع ہونے) کی دعا بھی آئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے ''اَللّٰھُمَّ وَسِّعُ لِیُ فِیُ دَارِیُ ''یعنی اے اللہ مجھ کو وسیع مکان دیجئے۔ (الفصل للوصل سفرنامہ لاہور ص:۳۴۸)

بہت اونچے اونچے عالیشان مکان کی ناپسندیدگی

واقعی مکان نہ ہونے سے سخت تکلیف ہوتی ہے مگر مختصر مکان ضرورت کے لائق کافی ہے، زیادہ اونچا مناسب نہیں۔ حدیث میں ہے و بیت یتدخل فیہ، کہ مکان ایسا ہو جس میں بے تکلف داخل ہو سکے۔ مکان کا زیادہ اونچا کرنا قوم عاد کی میراث ہے، قوم عاد شان کے لیے نئے نئے اونچے اونچے مکان بنایا کرتے تھے۔

ہمارے یہاں بعض مکان اندر سے تو بہت ہی مختصر ہیں مگر دروازہ نہایت عالیشان اور نہایت بلند ہے، اور عذر بیان کیا جاتا ہے کہ چوروں سے حفاظت رہتی ہے، مگر یہ سب فضول اور لغو باتیں ہیں چور تو جہاں چوری کرنا چاہتے ہیں تو اونچا سے اونچا مکان بھی ان کے لیے مانع نہیں ہوسکتا۔ وہ تو نقب کے ذریعہ سے کام کرتے ہیں، بہت لوگ ایسے ہیں کہ جن کے مکان بہت چھوٹے ہیں اور نیچے ہیں مگر چور ساری عمر میں کبھی نہیں آئے تو اونچے مکان کے لیے چور کا نہ آنا اور نیچے مکان کے لیے چور کا آنا لازم نہیں چور کے آنے کے اور اسباب ہیں۔

غرض بلا ضرورت اونچا اور وسیع مکان بنانا فضول ہے، بقدر ضرورت بنانا چاہئے۔ (حقیقت مال وجاہ ص:۶۸۳)

عمارت بنانے میں حسنِ نیت

عمارت کی دو قسمیں ہیں بعض عمارتیں جیسے مسجد وغیرہ میں رضوان و تقویٰ کا اجتماع ہوتا ہے کیونکہ نیت بھی ثواب کی ہوتی ہے اور خلافِ شرع افعال و نیت سے بچنا

بھی ضروری ہوتا ہے۔

اور اگر اپنا مکان بنائیں تو اس میں تقویٰ تو ہر حال میں ضروری ہے (جس کی تفصیل ماقبل میں گذر چکی) لیکن رضوان وثواب کی رعایت قدرے مشکل ہے، اگر اس میں بھی رضوان وثواب کا قصد شرعاً ضروری ہوتا تو ہم مکان بنانے میں اللہ کی خوشنودی کی آخر کیا نیت کرتے؟ تکلف ہی کرنا پڑتا چاہے حق تعالیٰ ہمیں کسی نیک نیت پر جو ہم بتکلف کرلیں ثواب دے دیں، مگر نیت کرنے میں خود تکلف ہوتا۔ (اس لیے ایسی نیت کرنا ضروری اور فرض نہیں)۔

سچ یہ ہے کہ ہر فعل میں اس قسم کی نیت کرنا ہے مشکل، یہ خاص لوگوں کا کام ہے، اس لیے میں کہا کرتا ہوں کہ رضوان (اللہ کی رضامندی وثواب) کی رعایت ہر عمارت میں مامور بہ (واجب) نہیں ہاں اگر نیت خیر ہو تو اس کے مستحب ہونے میں کلام نہیں۔

(تاسیس البنیان ص:۶۹۲)

مکان بنانے میں اللہ کی رضامندی اور ثواب کی نیت پر ایک حکایت

ایک حکایت ہے کہ کسی بزرگ کے ایک مرید نے مکان بنوایا تھا جب بن کر تیار ہوگیا تو شیخ کو مکان دکھلانے لے گئے، اس مکان میں روشن دان کھلے ہوئے تھے، شیخ نے پوچھا کہ روشن دان کس غرض سے رکھے گئے ہیں؟ مرید نے عرض کیا یہ اس واسطے رکھے گئے ہیں کہ مکان میں روشنی آیا کرے، یہ سن کر شیخ نے ایک آہ کھینچی اور کہا کمبخت اگر بنانے کے وقت یہی نیت کرلیتا کہ ان سے اذان کی آواز آیا کرے تو تیرا مقصود تو جب بھی حاصل ہوجاتا کیونکہ روشنی کا آنا تو اس کی نیت کرنے پر موقوف نہیں ہے، اور

اس کے ساتھ جب تک روشن دان باقی رہتے اجر بھی ملتا۔

مسلمان کی شان تو یہ ہونی چاہئے کہ دنیا کا کام کرے تو اس میں بھی دین ہی ملحوظ ہو، مسلمان کی دنیا بھی دین ہی ہے مگر یہ ضروری ہے کہ نیت کر کے اس کو دین بنانا چاہئے، اس بنیاد پر مسلمان دنیادار ہو ہی نہیں سکتا۔

مثلاً نکاح دنیا کا قصہ ہے اور کوئی اہل اسلام کے ساتھ خاص نہیں۔ دین محض (خالص دین) تو وہ ہے جو اہل اسلام کے ساتھ مخصوص ہو، اور نکاح تو کافر و مسلم دونوں میں مشترک ہے۔ بظاہر اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف دنیا کا قصہ ہے مگر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بھی نیت یہ ہونا چاہئے کہ اس سے عفت محفوظ رہے، اور طبیعت منتشر نہ ہو، اور جمعیت خاطر (یکسوئی واطمینان) کے ساتھ عبادت ہو سکے۔ (اسی طرح کی نیت مکان بنانے میں بھی ہونا چاہئے)۔

آخر یہ کیا بات تھی جو یہ بزرگ روشنی کی نیت سے روشن دان بنانے پر خفا ہوئے۔ بات یہ ہے کہ مسلمان کو دنیا میں بھی دین ہی مطلوب ہونا چاہئے۔

واقعی اگر دنیا میں دین مطلوب ہو تو اس سے دنیوی منافع منقطع (ختم) تھوڑا ہی ہو جائیں گے دنیا کے منافع تو حاصل ہوتے ہی ہیں مگر نیت کے درست ہونے سے (اپنے) دین کا بھی بھلا ہو جاتا ہے۔ (الحیوۃ ملحقہ حقیقت مال وجاہ ص: ۵۰۰)

اپنا مکان کسی کار خیر میں دے دینا یا وقف کرنا ہر ایک کے لیے مناسب نہیں

حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے (اپنے مکان کے متعلق) وقف نامہ لکھا کہ حیات تک میں رہوں گا پھر میرے بعد یہ مکان دوسرے اغراض محمودہ کے لیے وقف ہے، اور اس طرح کی شرط لگانا وقف میں جائز ہے، کہ اپنے انتفاع کی یا اپنی اولاد کے یا

اولاد کی اولاد کے انتفاع کی شرط لگا لے۔ یہ بھی ثواب کا مرتبہ ہے۔

مگر میں اس کا کسی کو مشورہ نہیں دیتا، کیونکہ بعض دفعہ وقف کرنے کے بعد اولاد کو کوئی ایسی تکلیف ہوتی ہے جس سے اولاد کو مجبوری کی وجہ سے مکان بیچنا پڑتا ہے، مثلاً کسی وقت وہ محلّہ ویران اور خطرناک ہوگیا، یا ہمسائے (پڑوسی) شریر ہوگئے۔ اب مکان بدلنے کی ضرورت ہوتی ہے مگر وقف کی وجہ سے اس کو بیچ نہیں سکتے آگے ہر شخص اپنی مصلحت سمجھ سکتا ہے۔ (تاسیس البنیان ملحقہ حقیقت مال وجاہ ص:۶۸۱)

وطن کا مکان فروخت نہ کرنا چاہئے

ہماری بستی میں ایک صاحب اپنا مکان فروخت کرنا چاہتے تھے مجھے بھی اس کے خریدنے کا خیال تھا کہ اگر یہ فروخت کریں گے تو میں ضرور لے لوں گا کیونکہ اس مکان کے نہ لینے سے تکلیف تھی، لیکن انہوں نے مجھ سے مشورہ کیا کہ میں گھر بیچنا چاہتا ہوں اس میں آپ کی کیا رائے ہے، اس وقت اگر میں اپنی غرض کا لحاظ کرکے ان کو یہ مشوہ دیتا کہ ہاں فروخت کردو، تو وہ فوراً بیچ دیتے کیونکہ ان کی زیادہ رائے اسی طرف مائل تھی، مگر جب مجھ سے مشوہ کیا تو میں نے اپنی مصلحت پر نظر کرنا اور ان کی مصلحت کو نظر انداز کردینا خیانت سمجھا۔ اور وہی رائے دی جو ان کے لیے مناسب تھی۔

میں نے کہا آپ گھر کو ہرگز فروخت نہ کریں، کیونکہ دوسری جگہ چاہے کیسی ہی راحت ہو مگر کسی وقت پھر وطن یاد آتا ہے، اور جب باہر جاکر ٹھوکریں لگتی ہیں تو اس وقت اپنے وطن سے زیادہ اچھی کوئی جگہ نہیں ہوتی، چنانچہ اس رائے کی وجہ سے انہوں نے اپنا ارادہ ملتوی کردیا۔

(التبلیغ ۱۳۲/۱۴، وعظ خیر الارشاد)

تمت

حقوق المال

یعنی مال خرچ کرنے کے طریقے

افادات: حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

انتخاب وترتیب

محمد زید مظاہری ندوی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

سود، رشوت، قرض

کے شرعی احکام

افادات: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

انتخاب و ترتیب

محمد زید مظاہری ندوی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر: ادارہ افادات اشرفیہ دوبگّا ہردوئی روڈ لکھنؤ